جلد 23 شمارہ 9 ماہ ستمبر 2021ء صفر المظفر 1443ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللّٰہ

صداقت

محبّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❁❁❁ سالانہ فنڈ -/300 روپے

سالانہ کنونشن

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ

اصلاحی و تربیتی روح پرور عظیم اجتماع

مورخہ 9-8 اکتوبر 2021ء

بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ کو منعقد ہوگا

اللہ تبارک وتعالیٰ کے تقرب، تزکیۂ نفوس، تصفیۂ قلوب،
اس کی رضا کی خاطر اور ولولۂ تازہ کے حصول کیلئے اجتماع
کی فکر انگیز مجالس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر
انوار و برکات سے مستفیض ہوں۔
شرکت کی پرخلوص دعوت عام دی جاتی ہے۔

بمقام **مرکز تعمیر ملت**

وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیر و شہید بس سٹاپ)

جی ٹی روڈ **گوجرانوالہ**

رابطہ نمبر **0303-0466321**

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
دل کی بات	مدیر فلاح آدمیت	2
نقوش مہر و وفا	سید رحمت اللہ شاہ	3
جہاد اور شہادت	مولانا محمد اسحاقؒ	14
الملک للہ الحکم للہ	ماجد محمود توحیدی	19
پاکستان	حکیم محمد سعید	26
خوف خدا رکھنے والوں کی اخلاقی صفات	ہارون یحییٰ	29
دنیا کی محبت اور اس کا علاج	حکیم محمد اسلم شاہین	35
معرفت اور دیدار الٰہی	امام غزالیؒ	41
جمہوریت	عبدالرشید ساہی	44
کنونشن کا منظر	لیاقت علی	49
اخلاص	شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی	50

دل کی بات

بانی سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات ایسی حیات افروز ہیں کہ اگر کوئی سالک ان پر خلوص نیت سے مسلسل عمل کرے تو اس کی روحانی ترقی تو ہوتی ہی ہے مگر اس کہ ساتھ ساتھ اس کی مادّی ترقی کی راہ بھی ہموار ہو جاتی ہے۔ آپؒ نے مثبت سوچ اختیار کرنے اور رجائی Optomist بن کر رہنے کا حکم دیا ہے اور منفی سوچ سے بچنے اور قنوطی لوگوں سے دور رہنے کا کہا ہے۔ آج کل کی جدید نفسیات اس ضمن میں بہت شدومد کے ساتھ مذکورہ نظریے کی تائید کر رہی ہے عالمی سطح پر مختلف کامیاب لوگوں کی عادات میں سے مثبت سوچ اور Optimism ایک مشترکہ اور بلند تر عادت مانی گئی ہے جس نے ان کی کامیابی میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

مثبت سوچ اور رجائیت جہاں آپ کی قوت ارادی کے ذریعے جلا پاتی ہے وہیں یہ ایک check meter کے طور پر ہمارے سے اللہ سے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر کوئی سالک مسلسل ذکر کرنے کے باوجود اپنے قلب کو دنیاوی فکروں سے آزاد نہیں کر پا رہا اور خوش نہیں رہتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ذکر اذکار اس کے قلب پر کما حقہ اثر انداز نہیں ہو رہے اور اس کا قلبی تعلق اللہ سے حقیقی معنوں میں نہیں بن پایا۔ مزید برآں ایسا بندہ دنیاوی معاملات میں بھی مخلص دوستوں سے محروم اور ناکامیوں کا سامنا کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمیں بانی سلسلہ کی تعلیمات کی صورت میں انتہائی قیمتی رہنمائی میسر ہے جس کی پیروی کر کے ہم دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں، کمی اگر ہے تو ہمارے جذبہ، اخلاص اور کوشش میں ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمارے لیے اپنی راہ پر چلنا آسان بنا دے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین۔ والسلام!

(مدیر)

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بخاری صاحب صبح نماز قائم کرنے کی بات کر رہے تھے کہ فقیر لوگ کہتے ہیں کہ نماز قائم کرنے کا حکم ہے، پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ پڑھنا تو بالکل علیحدہ چیز ہے۔ پڑھنے کا کہتے تو پھر ہم ویسے ہی پڑھ لیتے۔ قرآن مجید کا کہا کہ پڑھیں تو بس آپ نے وہ الفاظ ہی ادا کرنے ہیں اگر نماز کا کہا جاتا کہ پڑھو تو بس وہ الفاظ پڑھ لیتے۔ قائم کرنا یہی ہے کہ ان حرکات کے ساتھ پڑھنا ہے۔ امام آگے اور پیچھے آپ نے صفیں باندھ کے حرکات وسکنات کے ساتھ پڑھنا ہے۔ اسلام میں اسی کا حکم ہے۔ جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو اس وقت بھی کہا جاتا ہے:

﴿قد قامت الصَّلوٰۃ﴾ اب یہ نماز قائم ہوئی۔

وہ نماز سرّی ہو یا جہری۔ تکبیر کے ساتھ بلند آواز سے کہا جاتا ہے کہ

قد قامت الصَّلوٰۃ۔ یہ الفاظ آج سے نہیں ہیں۔ اُس وقت سے آرہے ہیں۔ نماز قائم ہوگئی ہے۔ یہ ہے قائم کرنا! باقی سب فضول ہے کہ یہ پڑھتے ہیں مگر نماز تو قائم کرنے کا حکم ہے۔ یہ کیا ہے؟ اسے اقامت صلوٰۃ کہتے ہیں۔

﴿قد قامت الصَّلوٰۃ﴾ صلوٰۃ قائم ہوگئی۔

اس طرح قائم ہوتی ہے۔ وہ جو مسلمان نماز پڑھتے ہیں انہیں یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے، خود نماز نہیں پڑھتے۔ جو وظیفہ کرتے ہیں یا اللہ کا نام کہتے ہیں تو وہ خود

پڑھتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے ہی کرتے ہیں ناں کچھ۔ ادا تو نہیں کرتے۔ وہ پڑھتے ہیں۔ وظیفہ کوئی مرشد نے بتایا یا کسی نے بتایا تو وہ پڑھتے ہیں۔ اقامت صلوٰۃ یہی ہے کہ آداب کے ساتھ، استغراق کے ساتھ، رکوع وسجود کے ساتھ، پانچ وقت ہے۔ یہ وہ بات نہیں ہے کہ قائم کرنے کا حکم ہے، پڑھنے کا نہیں ہے۔ یہ فضول باتیں ہیں۔ یہی اقامت صلوٰۃ ہے۔

محفل میں شریک ایک بھائی کہنے لگے کہ ایک پیر صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ تو نماز میں کہتے ہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ آج تک تمہیں سیدھا راستہ ہی نہیں ملا اور ہم تو چل رہے ہیں۔ باباجان فرمانے لگے: اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ. ہے۔

ہمیں سیدھے رستے پر چلا۔ دکھا نہیں ہے۔ Guide us. دکھا نہیں، چلا ہے۔

﴿اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ.﴾ ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔

صراط مستقیم کہاں جاتا ہے!! راستہ جو اللہ تک جاتا ہے۔ جو بندے کو اللہ سے ملا دیتا ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ اس پہ چلنا ہے۔ وہ نہیں ہے جو راستہ دکھا والی بات کرتے ہیں۔ دکھا نہیں، چلا ہے۔ ہم چلتے رہیں۔ وہ اللہ کی بندگی کا راستہ ہے۔ سورۃ یٰسین میں آتا ہے:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ . وَأَنْ اعْبُدُونِيْ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (سورۃ یٰسین: آیت ۶۰۔۶۱)

"اے اولادِ آدم! ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ میری ہی بندگی کرنا، یہی صراط مستقیم ہے"۔

اللہ کی بندگی کرنا، یہی صراط مستقیم ہے۔ اللہ کے بندے بن جاؤ، غلام بن جاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ.

(سورۃ البقرہ: آیت ۱۷۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے خون کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام''۔

عَبْدٌ کا مطلب ہے غلام۔ غلام بن جاؤ، غلام وہ ہوتا ہے جس کی اپنی مرضی نہ ہو۔ بس یہی ہے۔ اب اللہ کی مرضی پر چلے گا، وہ غلام ہے۔ اللہ کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ اور اس کے مطابق زندگی گزارو۔ یہی عبادت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْم.

ترجمہ: ''(حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ) بے شک میرا ربّ بھی اللہ ہے۔ آپ کا ربّ بھی وہ ہے، اس کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے۔'' (سورۃ آلِ عمران: آیت ۵۱)

اللہ کا بندہ بن کے رہنا، اس کی اطاعت میں چلنا، اپنے نفس کی خواہشات پہ نہیں چلنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

(وہ صوفی لوگ) ایسے ٹوٹکے چلاتے رہتے ہیں کہ ہم تو نمازیں مدینہ شریف میں پڑھتے ہیں، تمہاری نمازیں کیا ہیں۔ (بابا جانؒ نے ایک ملنے والے کا بتایا (جن کے پیر صاحب بانی سلسلہ بھی ہیں) فرمانے لگے کہ ان کے پاس آنے والے لوگ کہتے ہیں کہ بابا جی تو وہاں مدینہ جا کے نماز پڑھتے ہیں۔ وہ آئے کہیں تو کسی نے پوچھا کہ سناؤ جی، پیر کا کیا حال ہے؟ ابھی نمازیں یہاں پڑھتا ہے یا وہاں پڑھتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ابھی وہیں پڑھتے ہیں۔ کہنے لگے کہ حضرت صاحب سے کہو کہ نمازیں وہاں پڑھتے ہو، روٹی بھی وہاں کھا آیا کرو۔ پتا لگ جائے گا کہ پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے۔ نمازیں وہاں پڑھتے ہیں تو روٹی بھی وہیں کھا آیا کریں۔ یہ ایسی فضول سی باتیں ہیں۔

حضور ﷺ نے ساری عمر نمازیں پڑھی ہیں اور آخری عمر تک پڑھی ہیں۔

قدم لڑکھڑا رہے ہیں، گھسٹتے ہوئے مسجد تک آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے وصیت بھی فرمائی کہ نماز!!! اور جو لوگ تمہارے ماتحت ہیں، ان کا دھیان رکھنا۔ اس کو حضور ﷺ نے الصلوٰۃ معراج المؤمنین فرمایا۔ **الصلوٰۃ عماد الدین**۔ یہ دین کا ستون ہے۔ جس نے اس کو قائم رکھا، اس نے دین کو قائم رکھا۔ جس نے اس کو گرا دیا، اس نے دین کو گرا دیا۔

روزے سال بعد آئیں گے۔ زکوٰۃ پیسے ہوں گے تو دیں گے، نہیں ہیں تو نہیں دیں گے۔ نماز تو روزانہ کی بنیاد Daily basis پر ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافر اور مومن میں فرق کرنے والی چیز صرف نماز ہے۔ یہ لباس، یہ کھانا پینا۔ لباس تو سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔ نماز ہی ہے جو فرق کرتی ہے۔ اس کو بھی چھوڑ دیں تو باقی کیا رہ جائے گا؟ جو محبت کرنے والے ہیں وہ تو چھوڑ سکتے ہی نہیں ہیں۔ اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے۔

چکلالہ میں ہمارے ایک بھائی عالمگیر صاحب ہوتے تھے۔ ٹرانسپورٹ میں تھے۔ ان کا کام تھا کبھی Trip پر ساتھ چلے گئے۔ دو چار دن رہے اور پھر واپس آ گئے۔ نمازیں بیچ میں رہ جاتی تھیں۔ کہتے کہ دو چار دن نماز کا وقت ہی نہیں ملا۔ وہ جو پڑھتے ہیں وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ جیسے حضور پاک ﷺ فرماتے: مجھے اس دنیا میں خوشبو پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ ﴿وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ۔﴾

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

صلوٰۃ جو ہے وہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بناتی ہے۔ بیگار نہ اتاری جائے کہ پڑھنی ہے، فٹافٹ اسے ختم کرو۔ لمبے لمبے رکوع و سجود کرو، اس میں لطف آئے گا۔ حضوری والی نمازیں ہوں۔ یہ جو Minimum والی بات ہوتی ہے، صرف اس میں نہیں رہنا چاہئے۔ ایک حدیث شریف بھی ہے کہ بندہ جب نوافل میں میرا قرب حاصل کرتا ہے، میں اس کے

ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ وہ قرب نوافل میں ہے۔ بندہ نوافل میں یہ قرب حاصل کرتا ہے۔ فرض تو وہ Minimum سلیبس ہے۔ فرض نمازیں پڑھنی ہیں۔ اتنے روزے رکھنے ہیں۔ ڈھائی فیصد زکوٰۃ۔ یہ Minimum سلیبس ہے۔ یہ پیار والا نصاب نہیں ہے۔ پیار والا نصاب اس سے آگے شروع ہوتا ہے۔ سارا گھر دینے والا سلیبس بھی موجود ہے۔ آدھا دینے والا بھی موجود ہے۔ راتوں کو جاگنے والا بھی سلیبس ہے۔

قرآن میں لکھا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً. (سورۃ الفرقان ۲۵۔ آیت ۶۴)

راتیں سجدے اور قیام میں گزارتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی ہے کہ اتنا لمبا قیام فرماتے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا۔ وہ نوافل میں ہے۔ جماعت میں نہیں ہے۔ جماعت میں تو مختصر پڑھو۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھو۔ پیچھے بیمار ہوں گے، عورتیں ہوں گی، بچے رو رہے ہوں گے۔ مختصر والی بات جو ہے یہ جماعت میں ہوتا ہے۔ جلدی جلدی پڑھو لیکن نوافل میں یہ ہوتا ہے کہ اتنا استغراق ہوتا ہے کہ بس پڑھ رہے ہیں۔ ایک صحابی سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نفل پڑھ رہے تھے، میں بھی جا کے شامل ہو گیا۔ وہاں تو جماعت بن جاتی ہے۔ کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ تلاوت کر رہے تھے، میں بھی سنتا رہا۔ سورۃ البقرہ شروع کی۔ میں نے کہا کہ سو، پچاس آیت پہ کہیں رکوع ہو گا۔ سورۃ البقرہ ساری ختم ہو گئی، تب جا کے کہیں رکوع ہوا۔ کہتے ہیں کہ رکوع بھی اتنا لمبا کہ جیسے قیام تھا۔ سجدہ کیا تو سجدہ بھی اتنا لمبا جتنا قیام تھا، یا جتنا رکوع تھا۔ اتنا طویل سجدہ کرتے لیکن یہ نوافل میں تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نوافل پڑھ رہے تھے۔ سجدے میں گئے

اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے گمان گزرا کہ کہیں روح ہی نہ پرواز کر گئی ہو۔ میں نے آپ ﷺ کے پاؤں کے انگوٹھے کو پکڑا، اس میں حرکت پیدا ہوئی تو مجھے تسلی ہوئی۔ اتنا لمبا سجدہ!!

ہم ساری عمر ہی وہیں پہ بیٹھے ہیں۔ کم از کم تین دفعہ سُبحان رَبِّی العَظِیم. کم از کم تین دفعہ سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ. کم از کم سے اوپر نہیں جانا تو اللہ کی رحمتیں کیسے آئیں گی؟ آپ بھی آگے چلیں۔ Minimum کو چھوڑیں۔ Maximum کی بات بھی کبھی پوچھا کریں۔ Maximum جو پیار والا سجدہ ہے وہ کتنا لمبا ہو سکتا ہے؟ ایک دفعہ حافظ بشیر احمد صاحبؒ بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے یہ بات پوچھی کہ حافظ صاحب بتاؤ ناں کہ آگے Maximum کتنا ہے؟ کہنے لگے کہ کتابوں میں بہتر (۷۲) دفعہ کا آیا ہے۔ سُبحان رَبِّی العَظِیم. زیادہ سے زیادہ بہتر (۷۲) دفعہ پڑھیں۔ اسی طرح سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ ہے۔

ہم نے بہتر (۷۲) کی طرف کیوں نہیں سوچا کہ کبھی Maximum کی طرف بھی چلیں۔ وہ ہے پیار کا راستہ۔ نوافل یہ ہیں۔ نماز تو ہو گئی تین دفعہ پڑھنے سے لیکن نوافل کی طرف چلیں۔ یہ اپنی طرف سے محبت میں پڑھ رہے ہیں۔ وہ پڑھیں۔ حکم ہے۔ کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ مسائل یہ ہیں کہ جہاں کہیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو تین دفعہ ہی پڑھیں۔ سُبحان رَبِّی العَظِیم. کیونکہ ہو سکتا ہے کہ امام تین ہی پڑھے اور آپ تجاوز نہ کریں۔ امام سے تجاوز کرنے پر سختی ہے۔ نماز میں اٹھنا بیٹھنا بھی جو ہے اس میں بھی خیال رکھیں کہ امام سے پیچھے پیچھے چلیں۔ سب بھائیوں کو اس کا اہتمام رکھنا چاہئے۔

امام کے ساتھ صف میں کھڑے ہیں تو کہیں اللّٰہ اکبر کے ساتھ پہلے ہی ہاتھ نہ باندھ لیں۔ جب امام کی آواز آئے گی اللہ اکبر پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کر ہاتھ باندھنے ہیں

ایسا نہیں ہے کہ امام کے پیچھے ہیں اور آپ شروع کر دیں۔ جب وہ کہے گا اللّٰہ اکبر پھر آپ نے ہاتھ اُٹھانے ہیں۔ وہ سجدے سے اُٹھنے لگے تو آپ اسے دیکھ کر اُٹھ جائیں۔ جب وہ کہے گا اللّٰہ اکبر تو پھر آپ نے اُٹھنا ہے۔ امام کو حکم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا پہلے اٹھ کر اللّٰہ اکبر کہے تا کہ مقتدی جو ہیں وہ آپ سے تجاوز نہ کریں۔ آپ نے سجدے سے اسے دیکھ کر نہیں اُٹھنا، سُن کر اُٹھنا ہے۔ جب وہ اللّٰہ اکبر کہے تو اُٹھنا ہے۔ رکوع وسجود سب اسی طرح کرنے ہیں۔ سعودی عرب میں آپ دیکھیں تو وہ اللّٰہ اکبر کہہ کے سجدے میں چلا جائے گا پھر جماعت سجدے میں جائے گی۔ وہاں جا کے کہتا ہے اللّٰہ اکبر پھر جماعت جو ہے وہ سجدہ کرے گی۔ ساتھ ساتھ نہیں چلتے۔ دیکھ کے نہیں چلتے۔ تکبیر سن کے پھر آپ نے ابتداء کرنی ہے۔ پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ اس کے پیچھے چل رہے ہیں تو حکم ہوتا ہے کہ جو تسبیحات ہیں وہ تین ہی رکھیں تا کہ امام سے بڑھ نہ جائیں۔ باطنی جو باتیں ہیں ان میں بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن جب آپ اپنی نماز علیحدہ پڑھ رہے ہیں، نوافل پڑھ رہے ہیں یا فرض تو تین دفعہ سے زیادہ پڑھنا مستحب ہے۔ تین دفعہ نہ پڑھیں، زیادہ پڑھیں۔ وہ پیار کا سودا شروع ہو جاتا ہے۔ Minimum پہ نہیں بیٹھے رہنا۔ آگے چلیں۔

شوق پیدا ہو، لمبے لمبے سجدے کریں۔ اس میں مزہ آئے گا۔ پاس انفاس کی تعلیم پر عمل کریں گے تو اس طرح اللہ میاں آپ کو خود ہی قریب محسوس ہوگا کہ اللہ میاں نزدیک ہی ہے۔

قبلہ حضرتؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے ایک دفعہ تہجد کی بات چلائی۔ باباجیؒ نے فرمایا کہ ہم تو کہتے ہیں لمبا لمبا پڑھا کرو۔ جتنی دیر میں بارہ (۱۲) پڑھنی ہیں، وہ ٹائم دو (۲) میں لگا دو۔ اللّٰہ اکبر کرو اور کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں جیسے غلام دربار میں کھڑا ہے۔ پڑھو جتنی تلاوت توفیق ہے، جتنی یاد ہے پڑھ لو۔ اگر تھوڑی سی یاد ہے

تب بھی پڑھ کر کھڑے رہو کہ سامنے کھڑا ہوں۔ اللہ کے حضور کھڑا ہوں۔ رکوع کرو۔ تین دفعہ ہی کہو سُبحان رَبِّیَ العَظِیم لیکن ادھر بغیر پڑھے رکوع میں رہو۔ اس خیال سے کہ رکوع ایسے کرو کہ سرِ تسلیم خم ہے مزاجِ یار میں

اسی طرح رکوع میں رہو جتنی دیر رہ سکتے ہو۔ تھک جاؤ، یا اُکتا جاؤ تو کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو۔ سجدہ بھی ایسے ہی کرو کہ محبوب کے قدموں میں سر رکھ دیا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہاں تین دفعہ تسبیحات پڑھو سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ پھر اس کے بعد بغیر پڑھے ہی سجدے میں گرے رہو کہ پاؤں میں گر گیا ہوں۔ جتنا طویل ہو سکتا ہے اتنا طویل کرو۔ اسی طرح دوسرا سجدہ کرو۔ اسی طرح دوسری رکعت۔ باباجیؒ نے کہا کہ جتنا ٹائم بارہ (۱۲) رکعتوں میں لگانا ہے، دو میں لگا دو۔ باباجیؒ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر ایسی پڑھی ہیں تو ان دو پر سینکڑوں رکعتیں قربان ہیں۔

ہمارے بھائی کشتہ صاحب (اشتیاق احمد کشتہ صاحب) ہیں۔ فیصل آباد میں ان کے ایک دوست، صوفی صاحب داڑھی والے ہیں، ہوزری کا کاروبار کرتے ہیں، بہت نیک آدمی ہیں۔ صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں۔ تہجد گزار ہیں بہت اچھے۔ کبھی کبھی آتے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ کشتہ صاحب! نماز بھی پڑھتے ہیں، تہجد بھی پڑھتے ہیں، کبھی رونا نہیں آیا۔ کبھی سوز نہیں پیدا ہوا۔ خشوع نہیں پیدا ہوا۔ کشتہ صاحب آ گئے کہ چلو! میں آج تمہیں فقیر سے ملاتا ہوں، وہ بتاتے ہیں: تمہیں تہجد کیسے پڑھنی ہے۔ انہیں باباجیؒ کا نسخہ بتا دیا کہا کہ دو رکعت ہی پڑھو لیکن ایسی پڑھو۔ انہوں نے پڑھیں۔ سویرے آ گئے اور ان (کشتہ صاحب) کے گھٹنے پکڑ لئے۔ کہنے لگے کہ کشتہ! یار اتنی عمر گزر گئی ہے لیکن آج مزا آیا ہے تہجد پڑھنے کا۔ انہوں نے بڑا کہا کہ میرے دفتر میں ذکر کیا کرو۔ نوافل کا یہ قرب ہے، جسے قربِ نوافل

کہا جاتا ہے۔باباجیؒ (خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے بھی لکھا ہے کہ قرب کے لئے نوافل بہت ضروری ہیں۔تہجد کے نوافل سب سے مفید ہیں۔ویسے نمازوں کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں تاکہ وہ جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ہماری وہ نوافل کی وجہ سے دور ہو جائیں۔ تہجد کا یہ فرماتے تھے کہ ایسے پڑھو۔زیادہ سے زیادہ ٹائم لو۔لمبے لمبے قیام، لمبے لمبے رکوع وسجود اطمینان کے ساتھ۔اس میں جلدی نہیں ہونی چاہئے کہ رکعتیں پوری کرنی ہیں۔پاس انفاس جو کریں گے اس سے سارا کچھ صحیح ہو جائے گا۔باباجیؒ نے لکھا بھی ہے کہ کبھی بھی حضوری والی نماز نصیب نہیں ہو سکتی جب تک پاس انفاس نہ کیا جائے۔جو لوگ پاس انفاس کرتے ہیں، انہیں ہی وہ نمازیں عطا ہوتی ہیں جن میں خیال اللہ کے سوا باہر نہیں جاتا۔

﴿وَالْعَصْرِ ۔ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۔﴾ (سورۃ العصر)

وقت کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے۔

وقت ضائع ہو جاتا ہے تو ضائع ہو گیا، چلا گیا۔اس کو Utilize کر لیں گے تو ریکارڈ بھی ہو جائے گا کہ ذکر کیا ہے، اللہ اللہ کیا ہے۔پیر کرم شاہ صاحبؒ نے ضیاء القرآن میں سورۃ العصر کی تفسیر میں یہ Point ایسے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے کہ ایک مسلمان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہوا ہو۔ نہ دنیا کا کام کر رہا ہو اور نہ اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ فراغت اللہ نے دی ہے تو اللہ کا ذکر کرو۔ٹائم ایسے کیوں جائے؟ کیسٹ چل رہی ہے، آپ نے ایک گھنٹہ کچھ نہیں کیا، ایک گھنٹہ زندگی کا گزر گیا۔کیوں گزرا! انہوں نے لکھا ہے کہ اس کو بڑے جلی حروف سے لکھ کر اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

ایک بزرگ کے بارے میں بھی ہے کہ وہ بازار جا رہے تھے۔ایک برف والا تھا

جو برف بیچ رہا تھا۔ برف تو پگھلتی ہے۔ وہ نہیں رکتی۔ وہ آوازیں لگا رہا تھا کہ اے لوگو! اس غریب پہ رحم کرو جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے۔ جس کا سرمایہ نالی میں بہہ رہا ہے اس پر رحم کرو۔ نہیں خریدو گے تو ضائع ہو جائے گا، بِک جائے گی تو پیسے ہیں۔ وہ بزرگ وہیں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: خدا کی قسم سورۃ العصر کی تفسیر اس سے اچھی نہیں ہو سکتی۔ یہ بات کہ اِنَّ الْاِنسَانَ لَفِیْ خُسْر۔ یہ گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ جب کچھ نہیں کر رہے، ذکر بھی نہیں کیا تو نقصان میں چلا گیا۔ وہ کیوں ضائع جائے۔ انگریز بھی یہ کہتے ہیں کہ

Nothing is ours, but time.

ہمارا کچھ نہیں ہے صرف وقت ہے۔ جب آئے تو کہیں کہ ہمیں کچھ نہیں ملا۔ نہیں! ہمیں ٹائم ملا ہے۔ اسے سالوں میں گن لو یا سانسوں میں گن لو، ٹائم ملا ہے۔ اسی کی Utility پر انجام ہوگا کہ اس کو کہاں صرف کیا؟ زندگی کہاں لگائی ہے؟ کیا کیا؟ اس پر ہے سارا کام۔

اللہ کا ذکر جو ہے اس کا حکم ہے کہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ اب ہم نہیں کریں گے تو یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کافر ہیں لیکن یہ ہے کہ اس کی برکتوں سے تو محروم ضرور ہو نگے۔ اللہ کے ذکر سے منہ موڑیں گے تو یہ نہیں ملیں گی۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے فرمایا کہ کرلو، لکھا جائے گا، ہر چیز ریکارڈ ہو جائے گی۔

جب رسول اللہ ﷺ معراج شریف پر گئے تو ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی۔ وہ بڑے خوش ہوئے اپنی اولاد میں حضور علیہ السلام کی وہ شان دیکھ کر۔ انہوں نے کہا کہ اپنی اُمت کو میرا سلام بھی کہنا اور پیغام بھی دینا۔ سلام بھی آیا، پیغام بھی آیا۔ پیغام یہ ہے کہ جنت کی زمین بڑی ذرخیز ہے۔ اُمت کو پیغام دینا کہ اللہ کے ذکر سے اس میں باغات لگائے۔ جنہیں زمین ایسے ملے اور انہوں نے کچھ نہیں لگایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب بندہ اللہ کا ذکر

کرتا ہے، کہتا ہے سبحان اللہ۔ایک پودا اس کی جنت میں لگا دیا جاتا ہے جس سے اللہ کی تسبیح اوراس کی شان بیان ہوئی ہے۔جب بندہ اللہ اکبر کہتا ہے تو ایک مختلف قسم کا پودا وہاں لگا دیا جاتا ہے جس سے اللہ کی کبریائی کا اظہار ہوتا ہے۔جیسے جیسے جن الفاظ سے یاد کرتا ہے، اس نوعیت کا ویسی صفات کا حامل ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ساری عمر لگاتے جاؤ، بڑی شان سے لگاتے جاؤ تو کیا بات ہے تو واقعی وہ اس شان کا ہو جاتا ہے کہ گھوڑے پر بیٹھنے والا گھوڑے پر بیٹھے، تب بھی یہ ختم نہ ہو۔بات یہ ہے کہ باغ تو لگاؤ ناں۔وسعت بناؤ، اس کو وسیع کرو۔یہ جناب اُدھر سے سلام بھی آیا اور پیغام بھی آیا۔میرے اچھے بیٹے ٹائم ایسے ضائع نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿سُنَّۃَ اَبِیکُم ابراھیم﴾

''یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے''۔

علامہ اقبالؒ نے بھی بال جبریل میں لکھا ہے۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی ذرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان او غافل

انہوں نے اسی کی بات لکھی کہ پانی بھی ہو، زمین بھی ہو، پھر بھی اپنا کھیت نہ سینچے، وہ کیسا کسان ہے؟ اے غافل اپنی خودی پہچان۔ایسا کچھ ملا ہوا ہے اور وہ ایسے ہی چلا جائے۔

جہاد اور شہادت قرآن کریم کی روشنی میں (پہلی قسط)

(مولانا محمد اسحاقؒ)

شہید اور جہاد کے بارے میں ہم جتنا بھی بیان کریں ہم سے قطرہ بھی نہیں بیان ہوسکتا۔ مگر آج کی محفل میں وہ باتیں جو پس منظر میں کہیں بھول گئے اور اس ہنگامے میں اس طرف ان کا کوئی دھیان نہیں گیا، ان پر بات کریں گے۔ نہ مجاہد دھیان دے رہے ہیں نہ تنظیمیں اور نہ عالم اسلام۔ میں شہیدوں کو Degrade نہیں کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ ان کو جزا دے، مگر ترجیح نہیں۔ جو کرنا چاہیے تھا وہ نہیں ہو رہا۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ میری باتیں توجہ اور غور سے سنیں ورنہ عالم اسلام کو وہ نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ہم کر نہیں سکتے۔ دشمن یہی چاہتا ہے کہ جو بچے دین کی طرف رغبت رکھتے ہیں وہ جانیں دیں تا کہ میدان صاف ہو جائے۔ ہم ننگا ناچ ناچیں۔ اپنے ملک میں بھی شراب اور عریانی پھیلا دیں۔ دوسری دنیا میں بھی یہی بدمعاشی ہو رہی ہے کہ جن میں دینی جذبہ ہے وہ مر جائیں اور ہمیں میدان کھلا مل جائے۔ اس پر توجہ دینی ہے۔ یہ گہری سازش ہے۔ اسی لیے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ لوگ جانیں دے رہے ہیں۔ اللہ قبول فرمائے اور اجر دے۔ مگر کچھ بن رہا ہے!! ہندوستان کی گرفت مضبوط ہو رہی ہے۔ ہمارے ہتھیار استعمال ہو رہے ہیں۔ خود کشمیر کے جو لیڈر رہتے، مجاہد اوّل تک اعلان کر رہے ہیں کہ یہ کوئی مجاہد نہیں، دہشت گرد ہیں۔ سارا کام خراب! جو کرنے کا کام تھا وہ نہیں ہوا۔

زہر سے علاج بھی ہو جاتا ہے کبھی کبھی، کڑوی باتیں بھی سننی پڑتی ہیں۔ لوگوں نے قتال کا معنی جہاد بنا دیا۔ بات جہاد کی کرتے ہیں اور بات قتال کی طرف چلی جاتی ہے۔ قتال ایک حصہ ہے جہاد کا کہ لڑا جائے، جانیں دی جائیں، دشمن کو مارا جائے۔ مگر یہ جہاد

نہیں ہے۔جہاد اس سے بہت بڑی بات ہے۔

میں نے جو آج آیت پڑھی سورہ الفرقان کی۔یہ مکی سورہ ہے۔مکہ میں کون سا جہاد ہو رہا تھا۔قتال والی کوئی جنگ نہیں ہو رہی تھی، نہ کوئی مارتا تھا نہ لڑتا تھا۔مگر اس وقت بھی قرآن نے کہا کہ جہاد کبیر کرو۔بہت جہاد کرو۔اللہ کے رسول ﷺ سے کہا اور کیا کہا، تلوار کا نہیں قرآن کے ذریعے ان سے بہت بڑا جہاد کیجیے۔**و جاھدو بہ جھاداً کبیرا**۔ قرآن پھیلائیں۔قرآن لوگوں کے دلوں میں اتاریں اور آپ کو معلوم ہے کہ ہم جوء الارض ہم کسی کا ایک چپہ علاقہ چھیننے کے لیے اگر جنگ لڑیں تو ہماری موت حرام کی موت ہوگی۔ ہم کفر پر مریں گے۔ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔یہ آلائے کلمۃ اللہ کی جنگ نہیں ہوگی۔ ہم کہتے رہیں گے کہ شہید ہیں مگر اسلام اجازت ہی نہیں دیتا کہ صرف ملک چھیننے کے لیے کسی کو مارنا، خون اتنا ارزاں نہیں ہے انسان کا۔ایک آدمی مارا جائے تو اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے ہے جیسے زمین کے سارے لوگ مارے گئے۔اللہ کے ہاں ایک انسان کا قتل بہت بڑا جرم ہے زمین و آسمان کٹ جانے کے برابر ہے۔اس کی اجازت بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ بہت ناگزیر حالات میں کہ آپریشن ضروری ہو جائے، ہاتھ کاٹنا ہی پڑے، ورنہ مارنے کی اجازت نہیں۔کافر کو بھی نہیں۔اللہ یہ چاہتا ہے کہ بجائے اسے جہنم کے بھیجنے کے جنت میں لے جاؤ۔قرآن کے ذریعے سے اللہ کے رسول ﷺ کو حکم ہوا: **و جاھدو بہ جھاداً کبیرا** ۔قرآن کو ہاتھ میں لے کر گلی گلی محلے محلے اللہ کا پیغام پہنچائیں، اپنے ساتھیوں کے ذریعے پہنچائیں۔ہوسکتا ہے کسی گمراہ کو ہدایت مل جائے تو وہ جنت میں چلا جائے۔

حضرت زید بن حارثہؓ جن کے بیٹے اُسامہؓ، رسول اللہ ﷺ کے بچے ہی ہیں۔ حضور ﷺ حضرت حسنؓ کی طرح انہیں اپنے پہلو میں بٹھاتے تھے۔ایک غزوہ پر گئے،

جنگ میں ایک کافر جس نے بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا تھا۔سب کے دل میں تھا کہ یہ قابو آیا تو اس کی بوٹیاں اڑا دیں گے۔حضرت اُسامہؓ نے اسے گھیرے میں لے لیا تو اس نے کلمہ پڑھ لیا حضرت اسامہؓ نے پھر بھی اسے قتل کر دیا اور یہی تاویل کی کہ اس کے کلمے کا کیا اعتبار، اتنے مسلمانوں کو اس نے شہید کیا ہے۔اب یہ کلمہ پڑھ رہا ہے۔رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور متعدد بار فرمایا کہ اسامہؓ! تو اس کے کلمہ کا کیا کرے گا۔حضرت اسامہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس نے ان حالات میں کلمہ پڑھا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا آپ کو دل چیرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔جب اس نے لا الٰہ کہہ دیا تو بس ٹھیک ہے۔حضرت اسامہؓ اتنے روئے اور تمنا کی کہ کاش! میں آج نئے سرے سے مسلمان ہوتا۔اس لیے آج جتنے مر رہے ہیں انڈیا کے ان کا بھی ہم حساب دیں گے۔صاف بات ہے۔وہ اللہ کی عدالت میں ہمیں پکڑ لیں گے۔یہ ہمارے پاس قرآن لے کر نہیں آئے، دین لے کر نہیں آئے۔وہ تو اپنے دین Hinduism کو صحیح سمجھتے ہیں۔جیسے ہم اپنے ماں باپ سے سنتے آئے ہیں۔دین اسلام حق ہے، وہ اپنے مذہب کو سچا سمجھتے ہیں۔ہمارا جرم ہے کہ ہم ان کی تسلی نہیں کرا پاتے۔جس جہاد کا اللہ نے قرآن میں حکم دیا وہ نہیں کر پا رہے۔قتال کا نہیں۔قتال بہت ناگزیر حالات میں ہوتا ہے۔بہت مشکل وقت آتا ہے تو جنگ کی اجازت ملتی ہے۔جہاد جہد سے نکلا ہے جیسے ہم جدوجہد کہتے ہیں۔پورا زور لگائیں۔پورا زور کس لیے کہ دین پھیل جائے۔اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔بندے مارنا جہاد نہیں۔مکہ میں، اللہ فرماتے ہیں قرآن کے ذریعے جہاد کیجیے اور حضور اکرم ﷺ نے کیا۔جو لوگ درست ہو گئے کتنے پکے تھے۔اب یہ کام ہم نے چھوڑ دیا۔علماء تک نہیں کر رہے۔ان کی ذاتی زندگیاں بھی اسلام کو بدنام کر رہی ہیں۔جو مدرسوں سے نکل رہے ہیں وہ فرقہ وار۔لوگ اگر یہ دُہائی دے رہے ہیں کہ مدرسوں سے دہشت گرد

نکل رہے ہیں تو وہ جھوٹ نہیں بول رہے۔ ہم پیدا کرتے ہیں کہ شیعہ کافر، بریلوی کافر ہیں، مشرک ہیں۔ سبھی مدارس یہی کام کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو مسلمان ہی نہیں سمجھ رہے۔

تو وہ جہاد جس کا اللہ نے مکہ میں حکم دیا ایک یہ آیت ہے، دوسرا اللہ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ''جو جہاد کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لیے ہی کرتا ہے۔ دین کے لیے کوشش کرنا جہاد ہے قتال نہیں، قتال ایک خاص مرحلہ ہے کہ جب جان پر بن جائے تو ٹھیک ہے جان دینا بھی بڑی بات ہے۔ مگر دین کے لیے کوشش، پوری کوشش، دن رات مسلمان اس میں کھپ جائیں کہ اللہ کا دین دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ آپ عیسائی لوگوں کو دیکھیں ہزاروں زبانوں میں بائبل کا ترجمہ کیا ہوا ہے اور دس روپے میں، پانچ روپے میں اتنی بڑی کتاب دے رہے ہیں اور کہیں مفت دے رہے ہیں۔ ہم قرآن لوگوں تک نہیں پہنچا رہے۔ اللہ فرماتے ہیں قرآن کے ذریعے جہاد کرو، تلوار بعد میں آئے گی۔ کوئی شخص نہیں ٹھیک ہوا اور مسلمانوں کے گلے پڑ گیا تو پھر ٹھیک ہے جانیں دو، مر جاؤ۔ مگر پہلے قرآن کا پیغام دیں۔ بندے نہیں مارنے انہیں جنت میں لے کر جانا ہے اور دوسری آیت جو سورۃ العنکبوت کی پڑھی، یہ مکی سورۃ ہے۔ مکہ میں کون سی جنگ ہو رہی تھی اور اس کی آخری آیت، جو ہماری راہ میں جہاد کرے وہاں قتال نہیں فرمایا۔ تو اللہ کے لیے ایک تو جہاد اور قتال کو الگ کریں۔ لڑائی کا نام آپ نے جہاد رکھ لیا۔ لڑائی کرنے سے مسلمان نہیں گھبراتا، وہ جان اپنی سمجھتا ہی نہیں۔ وہ تو سمجھتا ہے کہ اللہ خریدار ہے، جان اس کی ہے، دے دو۔ مگر پہلے یہ ہے کہ جہاد، کوشش کرو۔ مدارس پیدا کرو۔ دنیا کی ساری زبانوں میں ایسا لٹریچر مہیا کرو۔ اتنے بڑے بڑے عالم پیدا کرو۔ چند بچے حافظ، عالم بنتے ہیں، وہ وہاں جا کر مارے گئے۔ ملت اسلامیہ کو کیا فائدہ ہوا۔ یہی بچے بڑے ہو کر عالم باعمل بنتے، مولانا اسرارؒ بنتے،

مولانا انور شاہ کشمیری بنتے ۔کہیں عیسائی یا یہودی للکارتے ہمیں کہ آؤ ہمیں دلیل سے ثابت کرو کہ محمد رسول اللہ ﷺ ، اللہ کے سچے رسول ہیں تو علماء ان کی تسلی کراتے۔ اور آج یقین جانیں، آج سب سے بڑا حملہ کفر کا، جو عراق، افغانستان میں ہو رہا ہے وہ بھی ظلم ہے، سب کو نظر آ رہا ہے مگر آج سب سے خطرناک اسلام پر نظریاتی حملہ ہے۔آپ پڑھیں اور سوچیں انہوں نے بڑے بڑے علماء اور اکیڈمیاں قائم کیں کہ قرآن کی دھجیاں اُڑا دو۔ اللہ کے رسول ﷺ پر بہتان لگاؤ۔سیرت ان کی بگاڑ کر پیش کرو۔اس میدان میں کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم کچھ نہیں کر رہے ۔وہاں لے جا کر بچے مروا رہے ہیں۔اس لیے اس کا انتظام کریں کہ وہ جہاد ہو جس کا قرآن نے کہا، قتال یعنی تلوار کی نوبت بعد میں آئے گی ۔ قرآن کے ذریعے جہاد کرو۔

قرآن پھیل جائے دنیا کی سب زبانوں میں اور ہم اس کے عالم ہوں ، دنیا کی سب زبانوں میں، سنسکرت میں، انگریزی میں، فرانسیسی میں ۔اور یہ صرف زبانی نہ ہو۔ میں دوسری بات شہادت کی کر رہا ہوں کہ شہید صرف وہی ہے جس نے جان دے دی؟ قرآن کہتا ہے **"تکونو شھدا علی الناس"** میں اور آپ سب شہید ہیں اور جو مسلمان شہید نہیں وہ اللہ کے ہاں مجرم ہوگا۔شہید کیا ہے؟ اللہ کے دین کے سچے ہونے کی گواہی دینا۔ زبان سے بھی دے اور اپنے عمل سے بھی دے اور اپنے کردار سے بھی دے۔مسلمان کسی بھی جگہ پر ہو، وہ جج ہو، وہ کاروبار کر رہا ہو یا ملازمت کر رہا ہو اس کے عمل سے یہی نظر آئے کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(جاری ھے)

اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ اَلْحُكْمُ لِلّٰهِ

(ماجدمحمود توحیدی)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق فرمایا تو اس کیلئے ایک نظام ، جو نظام کائنات کہلاتا ہے، وضع کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو بسایا تو اس کیلئے ایک نظام زندگی بھی مرتب فرمایا جو اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کامیابی کا ضامن ہے۔

اللہ نے اپنے اس نظام زندگی کی ترویج کے لئے اپنے مقدس اور مقرب ترین بندے، انبیاء ورُسل انسانوں کی طرف بھیجے، جنہوں نے اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی قوم میں اللہ کا نظام رائج کرنے کی کوشش کی۔

سب سے آخر میں اللہ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو کامل ترین نظام اور اتمام نعمت کیلئے مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اللہ کے نظام کو عملی طور پر معاشرے میں نافذ فرما دیا۔ جب اللہ رحیم و کریم کا رحمتوں والا نظام نبی رحمت ﷺ کے ذریعے نفوذ پذیر ہوا تو انسانیت انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ اسی لیے تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرا زمانہ سب سے بہترین زمانہ ہے''۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اور مال و زرّ کی بہتات سے مسلمان اللہ کی بندگی سے نکل کر نفس و شیطان کی بندگی میں جانے لگے۔ مسلمان جو اللہ کے دین یعنی اللہ کے نظام کو رائج کرنے کے ذمہ دار تھے، اس ذمہ داری سے کنارہ کش ہوتے چلے گئے۔ مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بھول کر دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ بحیثیت ملت اپنا مقصد فراموش کر بیٹھے کہ ہم دنیا میں اللہ کے نمائندے ہیں اور ہم نے دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے

۔کرتے کرتے بات یہاں تک پہنچ گئی کہ آج ستاون سے زائد اسلامی ممالک ہیں، مگر اسلام بحیثیت دین اور نظام کسی معاشرے میں نظر نہیں آتا۔ ہمارا عدالتی نظام، ہمارا معاشرتی نظام، ہمارا تعلیمی نظام گویا پورے کا پورا نظام اغیار کا دیا ہوا ہے۔ اللہ کا دیا ہوا نہیں اور اللہ کی حدود کا نفاذ کہیں نظر نہیں آتا۔

ابلیس انسان کا ازلی دشمن ہے جس طرح وہ اپنی بربادی اور تباہی کا ذمہ دار انسان کو ٹھہراتا ہے اور سمجھتا ہے کہ حضرتِ انسان کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا، اسی طرح بدلے کے طور پر وہ انسان کو اللہ کے سامنے رسوا و ذلیل کرنا چاہتا ہے اور انسان کو جہنم کا ایندھن بنانے کیلئے پوری طرح میدان میں ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انسان جسے خالق کائنات نے "ولقد کرمنا بنی آدم" کہہ کر اکرام سے نوازا اور مسجود ملائکہ بنایا، اللہ کی بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کر کے اپنے مقام سے گر جائے اور اللہ کے انعام و اکرام کی بجائے دونوں جہانوں کی رسوائی و ذلت اس کا مقدر بن جائے۔ اس لیے وہ انسان کے سامنے دنیا کی زندگی کو خوش نما بنا کر دکھاتا ہے۔ دنیا کی لذات میں مگن اور نفس پرستی کی روش پر لگائے رکھتا ہے۔ اللہ کے دین کے مقابلے میں وہ من مرضی والے ابلیسی نظام کی طرف انسان کو دعوت دیتا ہے اور آج کا انسان مکمل طور پر ابلیس کے شکنجے میں جکڑا جا چکا ہے اور اللہ اور اس کے نظام سے بغاوت کے مظاہرے آئے روز کبھی "عورت کی آزادی" کے نام پر بے حیائی و عریانی کو فروغ دے کر، کبھی اللہ کے مقدس ترین گروہ انبیاء کی توہین کر کے اور کبھی انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر کے، دیکھے جا سکتے ہیں۔ پوری دنیا کا کل نظام ہی اس وقت طاغوتی قوتوں کے پاس ہے۔ استحصال پر مبنی سودی نظام، کلچر کے نام پر بے حیائی، اور دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کے تشخص کو بگاڑنا اور اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنا، ربّ سے دُوری اور

دُنیا کی محبت میں ڈوب جانا یہ سب اسی باطل نظام کے شاخسانے ہیں۔

گو نبی مکرم ﷺ کی مبارک بعثت سے قیامت تک تمام انسان آپ ﷺ کی ہی اُمت ہیں مگر ہم مسلمان جنہوں نے آپ ﷺ کا کلمہ پڑھ کر اور آپ ﷺ کو اللہ کا سچا اور آخری نبی ﷺ تسلیم کرلیا ہے۔ان کے لیے آج بھی قرآن کا یہ پیغام مشعل راہ ہے۔

اللہ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

ترجمہ: ''وہ اللہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے سارے کے سارے دین پر غالب کردے اگر چہ مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگا''۔

نبی مکرم ﷺ کا بھی فرمان ہے:

''تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہوجائیں''۔

مسلمان کو چونکہ اللہ، اس کے رسول اور اللہ کے دین سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔اس لیے وہ اپنا سب کچھ اس کیلئے قربان کردیتا ہے اور اللہ کے دین کے قیام کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

اس لیے ملت اسلامیہ کے ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انفرادی کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیا میں اللہ کے دین کے قیام کیلئے بھی کوشش کرے اور جب تک دنیا میں اللہ کا دین قائم نہ ہوجائے ہم سکون سے نہ بیٹھیں۔کیونکہ یہ بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے۔

دین صرف نماز، روزے زکوٰۃ و حج کا نام تو نہیں۔دین تو انفرادی اور اجتماعی زندگی

بسر کرنے کا مکمل نظام ہے جس کو رائج کرنے کیلئے عملی اقدام اُٹھانے کی ضرورت ہے تا کہ انسانیت طاغوتی قوتوں کے شکنجے سے نکل کر اللہ کی رحمت والے نظام کو اپنا کر دنیا و آخرت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو۔

انسانیت انصاف کیلئے، بنیادی حقوق کے لیے بلک رہی ہے، کہیں انسانیت یہود و ہنود کی چیرہ دستیوں کا شکار اللہ کی نصرت کے منتظر ہیں تو کہیں نام نہاد اسلامی ممالک کی عوام دین سے دُور اور ذہنی غلامی کا شکار حکمرانوں کی وجہ سے ظلم کی چکی میں پس گئے ہیں۔

یہی اقتدار اگر کسی خدا کا خوف رکھنے والے اور نیک انسان کے پاس ہو تو انسانوں کو اپنے حقوق کیلئے رونا نہ پڑے بلکہ حضرت عمرؓ کی طرح آٹا اپنے کندھے پر اُٹھا کر عورت کے گھر چھوڑ کر آئے تا کہ اس کے بچے کھانا کھا کر سوئیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ یہی سوچ اور ویژن دیتا ہے کہ نہ صرف انفرادی طور پر ہم اللہ کے سامنے سرخرو ہوں بلکہ پورے معاشرے کو اسلامی نظام کے مطابق ڈھال لیں۔

محمد صدیق ڈار توحیدیؒ اپنی کتاب ''مقصود حیات'' میں فرماتے ہیں۔

"اسلامی تہذیب انسانوں میں مقصد حیات کا شعور پیدا کرنا چاہتی ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر حُبِّ دُنیا سے خلاصی پا کر اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ پر لگ جائیں۔ اگر چہ اللہ کے دین میں دنیا کو ترک کرنے کا حکم نہیں ہے لیکن اس کی زیب و زینت سے دھوکہ کھانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ لیکن قوموں کیلئے فتوحات کے بعد کثرت مال و دولت کے سبب عیش و عشرت کی زندگی اور اس کے عواقب سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں حضرت عمرؓ کو جب ایران کی فتح کی خبر ملی تو آپ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے آئے۔ کسریٰ شاہ ایران کے خزانے کے نوادرات اور دوسرا مال غنیمت جب

پیش خدمت کیا گیا تو سونے، چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگ گئے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔لیکن حضرت عمرؓ کو حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ ''ہر اُمت کیلئے اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی چیز کو فتنہ بنایا اور میری اُمت کیلئے مال فتنہ ہوگا''۔تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔احباب کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ دولت کی یہ فراوانی اپنی خرابیاں بھی ساتھ لائے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہی فتنوں نے سر اُٹھانا شروع کر دیا اور پھر خلافت راشدہ کی جگہ ملوکیت نے لے لی اور دنیا کی محبت نے سیاسی گروہ بندیوں اور سازشوں کو جنم اور فروغ دیا۔دولت کی فراوانی اور زندگی کی نئی نئی سہولتوں کی دستیابی کی وجہ سے بادشاہوں نے اپنے محلات میں عیش وعشرت کی زندگی اختیار کر لی اور ان کی تقلید میں عام مسلمان بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے سے ہٹتے چلے گئے اور آخر کار بھول ہی گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خیر الامت کا اعزاز عطا کر کے اس زمین پر حکومت الٰہیہ کے نفاذ اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری سونپی تھی۔ہماری یہ غفلت اقوام عالم کیلئے بھی ایک سانحہ بن گئی کیونکہ بنی نوع انسان کو غلامی سے نجات دلانے کی مدعی قوم بذات خود ہی ہوا و ہوس کی غلام بن گئی۔جو لوگ وحدت انسانیت اور اخوت کے علمبردار بن کر اُٹھے تھے وہ سینکڑوں فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کا خون بہانے لگے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت نے بھی ان سے منہ موڑ لیا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ کردار کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔دنیا میں ہر چیز کی قدر و قیمت اس وقت تک ہی باقی رہتی ہے جب تک وہ خاص مقصد پورا کرتی رہے جس کیلئے اسے بنایا گیا ہو۔جب وہ اس اہلیت سے محروم ہو جاتی ہے تو اسے کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ بیکار قوموں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔مسلمانوں میں بھی جب سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق کی آگ سرد پڑ گئی ہے وہ اپنی کثرت

کے باوجود راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے ہیں جسے اغیار کی سازشیں اور زمانے کی آندھیاں جدھر چاہتی ہیں اُڑائے پھرتی ہیں۔ جس قوم کے سامنے زندگی کا کوئی نصب العین ہی نہ رہے اس کی فکریں منجمد، قویٰ مضمحل اور صلاحیتیں زنگ آلود ہوتی چلی جاتی ہیں اور ترقی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ جانا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ بقول حکیم الامت حضرت اقبالؒ

مرگ فرد از خشکی رود حیات
مرگ قوم از ترک مقصود حیات

"فرد کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب اس کی زندگی کی ندی خشک ہو جائے لیکن قومیں اس وقت مرتی ہیں جب وہ اپنے مقصود حیات کو ترک کر دیتی ہیں"۔

خیر الامت نے بھی جب وہ نصب العین چھوڑ دیا جس کیلئے اسے تیار کیا گیا تھا تو وہ جہانگیری و جہانبانی کے ولولوں سے محروم ہوگئی۔ طائران لاہوتی اپنی پرواز بھول کر عالم خاک کے رزق کے متوالے بن گئے۔ صحراؤں، دریاؤں اور فضاؤں میں تکبیر کا نعرہ بلند کرنے کی بجائے مسجدوں اور خانقاہوں میں تسبیح و مناجات کرنے ہی کو دین اور دین کی معراج گردانا جانے لگا۔ اس طرح جب ولولے سرد اور ہمتیں دم توڑ گئیں تو ہم نے قرآن کے معانی کو اپنے فکر و کردار کی پستی کے مطابق ڈھالنے کیلئے نئی نئی تاویلوں کا سہارا لینا شروع کر دیا یعنی اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے قرآن کو بدلنے کا کام شروع کر دیا۔ اب حال یہ ہے کہ ہماری ساری توجہ سمٹ سمٹا کر شکم پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ غلام قومیں اسی فکر میں صبح و شام کرتیں اور کولہو کے اس چکر ہی میں اپنی عمر تمام کر دیتی ہیں۔ ہماری فکری پستی کا یہ عالم ہے کہ آج جو لیڈر آٹا سستا کرنے کا نعرہ لگا دے وہی ہماری آنکھ کا تارا بن جاتا ہے۔ جو بجلی کم کرنے کی نوید سنا دے وہی ہمارا نجات دہندہ قرار پاتا ہے اور جو ہماری گلیاں اور نالیاں پکی کرا دینے کا وعدہ

کردے وہی ہمارا قومی ہیرو قرار پاتا ہے۔ ہماری آنکھوں کو تو ایسے مردِ خدا کیلئے ترسنا چاہئے جو مسلم اُمت کو پھر سے مقصودِ حیات کے حصول کی کٹھن راہ پر ڈال دے۔ جو ہمیں روٹی بوٹی اور کار کوٹھی کے سفلی چکر سے نجات دلا کر حزب اللہ کے سپاہی بنا دے۔ جو ہمیں مال و دولت کی ہوس سے نکال کر فقر و استغناء کی بے نیازی سے آشنا کر دے۔ آیئے ذرا اپنے قومی شاعر، حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ سے پوچھتے ہیں کہ امت کی امامت کا منصب کسے سونپنا چاہئے اور وہ قوم کو کس راہ پر چلانے کیلئے جدوجہد کرے۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار سمجھے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کے تجھے تلوار کرے
فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(ضربِ کلیم)

پاکستان

(حکیم محمد سعیدؒ)

انسانی نقطۂ نگاہ سے عالم کون و مکاں کے نمایاں ترین پہلو وہ ہیں: خارجی حقائق اوران سے متعلق جذبات واحساسات۔ان دونوں کے باہمی تعلق کی صحیح شکل کا نام خیر اور غلط شکل کا نام شر ہے۔اس امر کی فکری تشریح کی بجائے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

انسان کسی خطے یا ملک میں جنم لیتا' پلتا بڑھتا اور رہتا بستا ہے۔یہ ایک خارجی حقیقت ہے۔اپنے وطن سے لگاؤ پر مبنی اس کا وہ جذبہ جس میں وہ سرشار ہوتا ہے'اس خارجی حقیقت کا دوسرا پہلو ہے۔اس کی بھی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: وطن سے محبت یا وطن سے نفرت۔ اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اپنے ملک کے ساتھ بے تعلقی'سرد مہری'نفرت اور دشمنی کا جذبہ ہرگز مستحسن نہیں سمجھا جاتا' بلکہ اگر بے تعلقی ظاہر کی جائے تو اسے مذموم گردانا جاتا ہے۔انسان کی پوری تاریخ میں ایک بھی ایسا معاشرہ نہیں ملے گا جس نے اپنے وطن کی محبت کے گیت نہ گائے ہوں۔اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وطن سے محبت' معاشرے کی بقاء وسلامتی اور ترقی وعروج کی ضامن ہے۔

ٹھیک یہیں پر وہ حد فاصل قائم ہوتی ہے جس کا لحاظ صرف ان افراد اور معاشروں میں پایا جاتا ہے جو وطن کو الوہیت کا درجہ نہیں دیتے۔بہ نظر غائر دیکھیے تو صاف پتا چلے گا کہ

وطن انسانی تہذیب کا گہوارہ بھی ہے اور مرقد بھی ۔اس کا یہ دوسرا روپ اس وقت رنگ لاتا ہے جب اسے فی نفسہٖ صحیح وغلط' نیک وبد اور خیر وشر کی فیصلہ کن کسوٹی سمجھ لیا جائے۔ مغربی وطنیت کا یہی المیہ ہے جس نے پورے کرۂ ارض کو اپنی سائنسی قہرمانیت کے ساتھ متاثر کیا ہے۔عصر حاضر کی بین الاقوامیت کو فروغ دینے کی مساعی میں مغرب اور اس سے مرعوب ممالک کی یہی روش ہمالیہ کی طرح حائل ہے۔

اس صورت حال کی ہولناکی کا نقشہ اقبال نے اس طرح کھینچا ہے:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دین ہے تو مصطفوی ہے

توحید کے تحت انسان کا جو وطن بنتا ہے اس میں ضمیت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا وطن اس کی عالم گیریت اور انسان دوستی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں بنتا ' بلکہ وہ انھیں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ پروان چڑھاتا ہے۔اس سے بھی زیادہ صحیح اظہار حقیقت یہ ہوگا کہ مسلمان کے وجود کی علت غائی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ توحید کے ناگزیر تقاضوں کو اپنی حدود کے اندر بھی اور کرۂ ارض کی پہنائیوں میں بھی بلا امتیاز پھیلا دینے

کا لازمی ذریعہ ہوتا ہے۔ظلمت عالم کو دور کرنے کے لیے مسلمان کا وطن مینارۂ نور ہوتا ہے جس کی بنیادیں زمین کی تہوں میں پیوست کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ''اسلام ترا دیس'' پکارنے والے اقبال نے برصغیر کے نقشے پر قیام پاکستان کا خواب دیکھا اور اسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے محمد علی جناح کو قیادت پر ابھارا۔پھر کتنی اور کیسی کیسی قربانیوں سے یہ ملک معرض وجود میں آیا!

حقیقت کو قریب ترین زاویے سے دیکھیے تو یہ راز بھی اس تناظر میں آپ پر کھلے گا کہ ہدایت انسانی کے لیے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کو مسجد کیوں قرار دیا ہے۔اگر وطن کی مٹی سے محض مٹی کی خاطر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار ہوتا تو مکہ کو خیر باد کہہ کر سینکڑوں میل دور اپنا نیا وطن تعمیر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مملکت مدینہ کے بعد تحریک اسلام کے زیر اثر چودہ صدیوں میں تاریخ کی کوکھ سے جنم لینے والا دوسرا ملک پاکستان ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ ہماری محبت کا مرکز ہے۔ہمیں پاکستان سے محبت ہے اور ہمیں اس سے والہانہ محبت ہونی چاہیے' کیوں کہ یہ اس عالم گیریت کی بنیاد اور نشان ہے جس کے لیے مسلمان کو اس عالم آب وگل میں بھیجا گیا ہے۔

پاکستان سے ہماری محبت اس سلسلہ محبت کی اہم کڑی ہے جس کا سرچشمہ ذات باری کی رب العالمینی ہے۔

خوف خدا رکھنے والے انسان کی اخلاقی صفات

(ہارون یحییٰ)

"اے اولادِ آدم! بیشک اُتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیز گاری کا لباس، وہ سب سے بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں" (سورۃ الاعراف۔آیت:۲۶)

قرآن کی بے شمار آیات میں ان سچے مومنوں کے رویئے اور طرزِ عمل کی مثالیں پیش کی گئی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان آیات مبارکہ کی روشنی میں اللہ سے ڈرنے والوں کے بنیادی اوصاف ذیل میں بیان کئے جا رہے ہیں۔

وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں:

حقیقی مسلمان اللہ کے سوا کسی بھی شخص یا چیز سے نہیں ڈرتا۔سچا مومن جانتا ہے کہ نفع اور نقصان، اچھا یا برا صرف اللہ سے آسکتا ہے اور یہ کہ اسے جن حالات کا بھی سامنا کرنا پڑے وہ صرف اللہ کی ہی مرضی سے ممکن، اُسی کے پیدا کردہ اور اس کی قسمت میں پہلے سے اللہ کی طرف سے طے شدہ ہیں۔

اس خاص وصف کو تمام انبیائے کرام کی سیرت میں دیکھا جا سکتا ہے اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے ہوئے پوری قوم کی مخالفت کے باوجود بھی ذرہ برابر لغزش نہ دکھائی۔اللہ تعالیٰ اُن کے اس وصف کو درج ذیل آیت مبارکہ میں بیان فرماتا ہے:

"اللہ کے پیغمبر وہ ہیں جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی سے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا۔" (الاحزاب:آیت:۳۹)

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ کے نبیوں کی اس صفت سے سبق سیکھے گا اور اس پر عمل پیرا ہوگا۔

وہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کوشاں رہتے ہیں:

ایک سچا مسلمان اپنی زندگی یہ جانتے ہوئے گزارتا ہے کہ اللہ ہر شے کا فیصلہ کرنے والا ہے، اور یہ کہ وہ (اللہ) قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہے، اور ہر چیز اُسی کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اسی لیے مومنین جانتے ہیں کہ اس مخلوق کی رضا تلاش کرنا جو حقیقتاً کوئی طاقت یا قوت نہیں رکھتی، قطعی بیکار ہے اس دنیا میں اللہ پاک سے ڈرنا اور اس کی خوشنودی و رضا حاصل کرنا آخرت میں خوفناک عذاب سے محفوظ رہنے کا سبب بنے گا۔

"تو کیا جس نے پیروی کی رضائے الٰہی کی، اس طرح ہوسکتا ہے جو حقدار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے۔" (آل عمران آیت ۱۶۲)

وہ وقت یقیناً آئے گا جب چھوٹے بڑے تمام اعمال سامنے لائے جائیں گے اور انسان کے ہاتھ، اس کی جلد اور دوسرے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ ایک حقیقی مسلمان اس حقیقت کی روشنی میں زندگی بسر کرتا ہے اور کبھی بھی حالات سے سمجھوتہ نہیں کرتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا طرزِ عمل اس حوالے سے ایک بہت ہی اعلیٰ مثال ہے حضرت یوسفؑ نے ایک طاقتور عورت کے سامنے جو انہیں پسند کرتی تھی، اپنی پاکدامنی و پارسائی برقرار رکھی۔ اُس عورت کی تمام تر دھمکیوں اور سازشوں کے باوجود انہوں نے اللہ کی حدود پار کرنے کی بجائے جیل جانے کو ترجیح دی اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار کی اعلیٰ بلندی کے بارے میں یوں بتاتا ہے:

"زلیخا (فاتحانہ انداز میں) بولی، یہ ہے وہ (پیکرِ رعنائی) جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بخدا! میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ بچا ہی رہا اور

اگر وہ نہ بجالایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی، اے میرے پروردگار! قید خانہ (صعوبتیں) مجھے زیادہ پسند ہیں اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت سے) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے۔" (سورہ یوسف: آیات: ۳۲۔۳۳)

وہ ہمیشہ ایمانداری سے پیش آتے ہیں:

ایک ایسا شخص جو حقیقتاً اللہ کا فرمانبردار بندہ ہو وہ کبھی بھی اپنی ذاتی ضروریات اور خواہشوں کو اپنے مالک کی توقعات سے بڑھ کر عزیز نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ اگر اُس نے سچ جانتے ہوئے بھی ایسا کیا تو وہ اس دنیا میں اور آخرت میں بھی خود کو اللہ کے غضب کا نشانہ بنالے گا۔ جب تک وہ اس خطرے سے پوری طرح ڈرتا رہے گا وہ اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کرنے سے بچا رہے گا جو اسے اس حالت کی طرف لے جائے جس کا ذکر درج ذیل آیات مبارکہ میں آیا ہے:

"بلکہ پیروی کرتے رہے ظالم اپنی (نفسانی) خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے، پس کون ہدایت دے سکتا ہے جسے (پیہم نافرمانی کے باعث) اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیگا اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔ (سورۃ الروم۔ آیت: ۲۹)

"ذرا اس کی طرف تو دیکھ جس نے بنالیا ہے اپنا خدا، اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد۔ (لوگو!) کیا تم غور نہیں کرتے۔"

وہ قرآن میں بیان کردہ نیک صفات کی تقلید کرتے ہیں:

اللہ سے ڈرنے والا شخص ایسی صفات کا مظاہرہ کرے گا جو اچھے کردار کو ظاہر کرتی ہیں جیسے کہ مخلصی، وفاداری، پرہیز گاری، ایمانداری، تابعداری وغیرہ۔قرآن پاک میں جگہ جگہ ایسے سچے مومنوں کا ذکر ملتا ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مظاہر کرتے رہے۔یہ صفات در اصل نسل انسانی کیلئے وہ اخلاقی نمونے ہیں جنہیں ہر اہل ایمان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاہم جب تک کوئی شخص اللہ سے نہیں ڈرتا وہ کبھی بھی ان صفات کی اہمیت کو دل سے تسلیم نہیں کرسکتا کیونکہ جب کبھی بھی ان کے ذاتی مفادات کا معاملہ درپیش ہوا وہ قرآن میں بیان کئے گئے بہترین کردار کا مظاہرہ کرنے کی بجائے فوراً اپنے وقتی فائدے کی طرف دوڑ پڑیں گے۔وہ اللہ کو ناراض کرنے سے پیدا ہونیوالی پریشانی یا اُس کے سامنے جوابدہ ہونے یا جہنم میں داخل کئے جانے اور اپنے برے کردار کے نتائج کو محسوس ہی نہیں کر پاتے حالانکہ ان باتوں کا احساس ہی انسان کو بہتر کردار اختیار کرنے کی طرف مائل رکھتا ہے۔

وہ تنہائی میں بھی اللہ کی حدود کا خیال رکھتے ہیں:

کوئی بھی شخص جو اللہ سے اچھی طرح واقف ہے وہ کوئی بھی ایسا کام کرنے سے ڈرے گا جو اس (اللہ) کی ناراضگی کا سبب بن جائے خواہ اس کے پاس کوئی دوسرا موجود ہو یا نہ ہو ..... کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جو بھی برا کام کرے گا اللہ اسے جانتا ہوگا، خواہ وہ یہ کام کھلے عام کرے یا چھپ کر۔اللہ کھلے عام کئے گئے اعمال سے بھی واقف ہے اور تنہائی میں کئے گئے اعمال سے بھی۔قیامت کے دن وہ (اللہ) بڑے سے بڑے چھوٹے سے چھوٹے تمام رازوں کو آشکار کردے گا اور انسان کو ان کیلئے اس (اللہ) کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ انہیں ایسے حالات میں مبتلا کرے گا

جن سے ان کی ایمانداری کی پختگی کا امتحان لیا جا سکے ۔ اپنی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سورۃ الانعام: آیت:۱۲۱ میں ہدایت فرماتا ہے:

"اور ترک کر دو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو، بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلد ہی سزا دی جائے گی انہیں (اس گناہ کی) جس کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے۔"

ہر حال میں وہ اللہ سے رجوع کرتے ہیں:

حقیقی مسلمان جو اللہ سے ڈرتے ہیں وہ اس اللہ کی طرف سے بدلہ صلہ ملنے کے بارے میں بے حد فکر مند رہتے ہیں ۔ جب کبھی انہیں کسی منفی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا جب بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کا کام برا جا رہا ہے، یا جب کبھی وہ تنگ دستی محسوس کرتے ہیں .... تو وہ فوراً اپنا محاسبہ کرتے ہیں کہ کہیں ان سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوگئی جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بن گئی ہو۔ وہ التجائیہ انداز میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں ۔ اللہ کی ناراضگی کے خوف سے جو ڈر وہ محسوس کرتے ہیں وہ ان کی اللہ کی رضا کے حصول کی آرزو کے ساتھ مل کر انہیں ایک اعلیٰ وارفع مقام پر لے جاتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت داؤدؑ کا طرز عمل بے حد زبردست مثال ہے قرآن میں حضرت داؤدؑ کی طرف سے اللہ کیلئے دلی احترام و محبت کے اظہار کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھلاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے انہوں نے کہا، ڈریئے، ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں، زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ ۔ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اور اس کی

ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کردے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے ربّ سے اور گر پڑے رکوع میں اور دل و جان سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے ۔پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر۔اور بیشک ان کیلئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔"

(سورہ ص: آیات ۲۱۔۲۵)

اگر چہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ انصاف پر مبنی تھا اور اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا، پھر بھی انہیں (حضرت داؤد علیہ السلام) نے اللہ کی ناراضگی سے ڈرتے ہوئے اُس اللہ سے رجوع کیا اور اللہ سے رحم طلب کیا اس طرح کے اندرونی خوف کی عظمت کو جھٹلانا ممکن نہیں جو انتہائی خالص اور مخلصانہ ہے ایسی آگاہی صرف انہی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ اُسے پہچاننے کا حق ہے اور جو اس اللہ کیلئے اپنے پیار اور ڈر کی وجہ سے اس (اللہ) کی رضا کھو دینے سے ڈرتے ہیں۔

جب ہم اللہ کے نبیوں اور سچے مومنوں کے کردار پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ سب ایسے فرمانبردار ہیں جو اللہ سے احتراماً ڈرتے ہیں اور جو اس کے عذاب سے بچنے کیلئے کوشاں رہتے ہیں تاہم اس کے ساتھ ساتھ اس خوف کے پیچھے ان کا دلی پیار اور دوستی بھی موجود ہوتی ہے اللہ کی مستقل اور مسلسل حمد اور عظمت بیان کرتے رہنا دراصل ان کے اللہ سے مکمل پیار اور اس اللہ سے وابستگی کا اظہار ہے۔

دنیا کی محبت اور اس کا علاج

(حکیم محمد اسلم شاہین)

تاجدارِ رسالت ﷺ کا فرمان ہے کہ میری اُمت پر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ وہ پانچ چیزوں سے محبت رکھیں گے اور پانچ کو بھول جائیں گے:

1- دنیا سے محبت رکھیں گے اور آخرت کو بھل جائیں گے۔

2- مال سے محبت رکھیں گے اور حساب کو بھول جائیں گے۔

3- مخلوق سے محبت رکھیں گے اور خالق کو بھول جائیں گے۔

4- گناہوں سے محبت رکھیں گے اور توبہ کو بھول جائیں گے۔

5- محلات یعنی عالیشان مکانات سے محبت رکھیں گے اور قبرستان کو بھول جائیں گے۔

واقعی آج حالات ایسے ہی نظر آرہے ہیں کہ دنیا سے محبت کا تو ہر ایک دم بھرتا نظر آرہا ہے مگر آخرت کی محبت نظر نہیں آتی۔ ہر ایک دنیا کا مستقبل روشن کرنے کی تگ و دو میں مشغول نظر آرہا ہے۔ ہر ایک اسی فکر میں ہے کہ جتنی بن پڑے اتنی دولت اکٹھی کر لی جائے جتنا ہو سکے اسناد حاصل کر لی جائیں جتنا ہو سکے دنیا کے پلاٹ حاصل ہو جائیں۔

چاہیے تو یہ تھا کہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی تیاری تو زیادہ کی جاتی، لیکن ہم تو دنیا کی محبت اور اس کی رنگینیوں میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ ہمیں نماز، روزے کی پرواہی نہیں رہی آخرت اور قبر کو بالکل بھلایا ہوا ہے۔ آہ! عنقریب ہماری سانس کی مالا ٹوٹ جائے گی اور ہمارے ناز اُٹھانے والے ہمیں اپنے کاندھوں پر لاد کر ویران قبرستان کی طرف چل پڑیں گے۔ آہ! ہماری ساری آرزوئیں خاک میں مل جائیں گی ہمارے خون پسینے کی کمائی ہمارے

ساتھ جائے گی نہ ہمیں کام دے گی۔

ایک بار حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ہمراہ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے اسی دوران آپ کا گزر ایک بستی سے ہوا کیا دیکھتے ہیں کہ اس بستی کے سارے لوگ مرے پڑے ہیں آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ یہ تمام لوگ جو مردہ پڑے ہیں یہ کسی قہر وغضب کا شکار ہوئے ہیں ورنہ قبروں میں مدفون ہوتے حواریوں نے درخواست کی یا روح اللہ! ہم ان کی موت کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟

چنانچہ اللہ عزوجل کے سچے نبی حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک ٹیلے پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز میں پکارا اے اہلیانِ شہر؟ تو ان مردوں میں سے ایک نے جواب دیا یا روح اللہ! ہم رات بھلے چنگے سوئے تھے لیکن صبح کے وقت ہم نے اپنے آپ کو دوزخ کی گہرائیوں میں پایا ارشاد فرمایا' آخر اس کا سبب؟ تو عرض کیا اس لئے کہ ہمیں دنیا سے بے حد محبت تھی۔ ارشاد فرمایا کہ دنیا سے تمہاری محبت کا انداز کیا تھا' عرض کیا یا روح اللہ! دنیا سے ہماری محبت اور پیار کا انداز ایسا ہی تھا جیسا ایک بچے کو اپنی ماں سے پیار ہوا کرتا ہے کہ جب ہمیں دنیا حاصل ہو جاتی تو ہم پھولے نہ سماتے تو جب دنیا کا کوئی نقصان ہو جاتا تو اداسی اور غمگینی چھا جاتی۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ صرف تم ہی بول رہے ہو اور کوئی جواب نہیں دے رہا۔ تو اس نے عرض کی یا روح اللہ علیہ السلام وجہ یہ ہے کہ ان سب کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی ہوئی ہے۔ تو فرمایا پھر تم کیوں بول سکے۔ تو عرض کی حضور میں ان کے درمیان رہتا ضرور تھا لیکن ان میں سے نہ تھا یعنی مجھے دنیا سے محبت نہ تھی مگر جب عذاب نازل ہوا تو میں ان کے ساتھ ہی تھا کیونکہ میری ان سے دوستی اور یارانہ تھا اس لئے عذاب میں میں بھی گرفتار ہو گیا اور اب اس وقت میں دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوں اور کچھ نہیں جانتا کہ

نجات کی کوئی صورت بھی میرے لئے نکلے گی یا مجھے بھی دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔

مقام غور ہے لمحہ فکریہ ہے آپ نے دیکھا کہ دنیا کی محبت میں گرفتار رہنے والوں کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی گئی اور وہ قہر الٰہی عزوجل کا شکار ہو گئے تو آج ہم بھی غور کریں کہ کہیں ہم بھی تو دنیا کی محبت میں گرفتار شدگان میں سے تو نہیں ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم پر بھی دنیا کی محبت نے قبضہ جمایا ہو۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ جس طرح وہ لوگ دنیا کی محبت میں اتنے گرفتار تھے کہ جیسے اولاد سے ماں باپ کا پیار ہوتا ہے تو کہیں ایسا تو نہیں کہ دنیا کی محبت کا بھی یہی حال ہو کہ اگر دنیا کا تھوڑا سا نقصان ہو جائے تو ہماری نیندیں اڑ جاتی ہوں اور اگر دنیا کا معمولی فائدہ ہو تو ہم پھولے نہ سماتے ہوں کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی دنیا کے حصول کی خاطر گناہ بھی کرتے ہوں، اسی دنیا کی خاطر رشوت بھی لیتے ہوں اسی دنیا کو حاصل کرنے کے لئے سود کا کاروبار بھی کرتے ہوں۔ اسی دنیا کی خاطر جھوٹ بھی بولتے ہوں اسی دنیا کے حصول کی خاطر ہم وعدہ خلافی بھی کرتے ہوں لوگوں کو دھوکہ دے کر مال جمع کرتے ہوں۔

دنیا کی محبت انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ارشاد ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں' خطاؤں اور نافرمانیوں کی جڑ اور بنیاد ہے اور جو واقعی دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے وہ طرح طرح کے گناہ کرتا ہے حتیٰ کہ مال و دولت کی خاطر انسان خون خرابہ کرتے بھی نہیں چونکتا۔

ایک قافلہ حج کو جا رہا تھا دوران سفر ایک حاجی صاحب کا انتقال ہو جاتا ہے جنگل بیابان ہے لوگوں نے ایک مزدور کو تلاش کیا اور اس سے پھوہڑا لیا اس پھوہڑے سے قبر کھودی اور اس کو دفن کیا۔ جب لوگ دفن کر کے فارغ ہوئے تو پھوہڑا غلطی سے قبر کے

اندر ہی رہ گیا چنانچہ انہوں نے دوبارہ مٹی ہٹانی شروع کی جب سیلیں ہٹائی تو لوگوں کی چیخیں نکل گئیں کہ اس پھوہڑے کے حلقے میں اس حاجی کے ہاتھ اور پاؤں جکڑے ہوئے تھے اور وہ کوڑا بن گیا تھا ایک دم گھبرا گئے اور جلدی جلدی انہوں نے مٹی ڈال دی اور اس پھوہڑے والے کو پیسے وغیرہ دے کر جان چھوڑائی ۔یہ واقعہ شرح الصدور میں ہے ۔جب یہ لوگ سفر حج کر کے مدینہ سے واپس پلٹے تو اس حاجی صاحب کے گھر بھی خبر پہنچائی ۔اس کی بیوی سے کسی نے تحقیق حال کیلئے کہا کہ آخر یہ بتاؤ کہ تمہارے شوہر کا عمل کون سا تھا جس کی وجہ سے ہم نے قبر میں یہ حال دیکھا اس کا،تو اس کی بیوی نے روتے ہوئے بتایا کہ ایک بار میرے خاوند نے ایک مالدار آدمی کے ساتھ سفر کیا اور موقع پا کر اس مالدار شخص کو اس نے قتل کر دیا اور قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کر لیا اب اسی لوٹے ہوئے مال سے یہ زکوٰۃ اور خیرات وغیرہ دیتا تھا ۔تو آپ نے دیکھا کہ اس لوٹے ہوئے مال سے نہ اس کا حج کام آیا، نہ زکوٰۃ کام آسکی بلکہ اس کی قبر میں عذاب شروع ہو گیا اور اس طرح کے بعض اوقات عذاب دکھا دیئے جاتے ہیں تا کہ لوگ عبرت حاصل کریں ۔بہر حال مقدر والوں کے مقدر میں عبرت ہوتی ہے تو وہ اس طرح کے واقعات سن کر توبہ کر لیتے ہیں اور جن کے مقدر میں توبہ نہیں وہ طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یوں کیسے ہو سکتا ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے ۔خیر یہ تو مرنے کے بعد کا تجربہ ہو گیا ۔

ہمیں بہت بہت ڈرنا چاہئے کہ دنیاوی معاملات میں انسان دنیا کی محبت کے دلدل میں گہرا اترتا ہی جاتا ہے اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ مجھے مرنا بھی پڑے گا لہٰذا وہ اپنے گریڈ بڑھانے کی فکر میں ہوتا ہے اور دنیاوی طور پر عروج در عروج پانے کی فکر ہوتی ہے لیکن اچانک اسے موت آ کر پکڑ لیتی ہے ۔

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ وہ کسی جنگل میں چلا جا رہا ہے اتنے میں اسے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی مڑ کر دیکھا تو ایک خوفناک شیر اس کے تعاقب میں چلا آ رہا ہے وہ گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا شیر بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ اتنے میں ایک گہرا گڑھا آڑے آ گیا۔ اس نے جان بچانے کیلئے گڑھے میں جھانک کر دیکھا تو اس میں ایک بہت بڑا سانپ منہ کھولے بیٹھا نظر آیا۔ اب یہ بہت گھبرایا کہ کرے تو کیا کرے! آگے خطرناک سانپ ہے تو پیچھے خوفناک شیر! اتنے میں اسے ایک درخت نظر آیا۔ یہ اس کی ٹہنی سے لٹک گیا لیکن ایک نئی مصیبت کھڑی ہوگئی وہ یہ کہ ایک سفید اور ایک سیاہ چوہا دونوں مل کر اس ٹہنی کی جڑ کو کتر رہے ہیں اب تو یہ بہت گھبرایا کہ عنقریب یہ دونوں چوہے ٹہنی کاٹ ڈالیں گے اور میں گر جاؤں گا اور پھر شیر اور سانپ کا لقمہ بن جاؤں گا ابھی وہ اسی فکر میں تھا کہ اس کی نظر اوپر شہد کے چھتے پر پڑی اور شہد پینے میں مشغول ہوگیا۔ اب شہد کی لذت میں کچھ ایسا گم ہوا کہ نہ شیر اور سانپ کا خوف رہا نہ ہی دونوں چوہوں کا ڈر۔ اچانک ٹہنی جڑ سے کٹ گئی اور یہ دھڑام سے نیچے گرا۔ شیر اس پر جھپٹا اور اس نے اسے چیر پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا اور سانپ اس کو نگل گیا پھر آنکھ کھل گئی۔ خواب میں جنگل سے مراد دنیا ہے اور خوفناک شیر موت ہے جو پیچھے لگی ہوئی ہے گڑھا قبر ہے جو آگے ہے وہ سانپ برے عمل ہیں جو قبر میں ڈسیں گے اور دو سفید سیاہ چوہے دن اور رات ہیں اور وہ ٹہنی زندگی ہے جسے وہ کاٹ رہے ہیں اور شہد کا چھتہ دنیا کی فانی لذات ہیں جس میں مشغول ہو کر انسان شیر، گڑھا سانپ اور سیاہ و سفید چوہوں کو جاتا ہے یعنی دن اور رات مل کر اس کی زندگی کی ٹہنی کو برابر کترتے رہتے ہیں جوں ہی اس کی مدت پوری ہوتی ہے وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

واقعی انسان دنیا کی محبت میں ایسا مست اور غافل ہو چکا ہے کہ اس کو موت، قبر کی پرواہی باقی نہیں رہتی۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جاہ ہے تماشہ نہیں ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ لوگ قیامت میں ایسے ہوں گے جن کے اعمال تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہوں گے وہ دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ لوگ نمازی ہوں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے بلکہ شب بیداری کرنے والے مگر دنیا پر گرے ہوئے ہوں گے۔

مزید ارشاد فرمایا۔ جو کوئی دنیا سے محبت کرتا ہے آخرت کا نقصان کرتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے دنیا کا نقصان کرتا ہے اس لئے تم کو چاہئے کہ ناپائیدار اور فانی چیز پر باقی کو پسند کرو۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے "وہ بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں وہ اس قدر فساد برپا نہیں کرتے جس قدر انسان کی دولت اور مرتبہ کی حرص اس کے دین میں فساد ڈالتی ہے۔"

معرفت اور دیدارِ الٰہی اعلیٰ اور اشرف کیوں ہے!

(حضرت امام غزالیؒ)

انسان میں بہت سی قوتیں رکھی گئی ہیں اور ہر قوت کیلئے الگ الگ لذت ہے، اس کی لذت انتقام اور بدلہ ہے۔ بھوک ایک قوت ہے، کھانے سے اس قوت کو لذت ملتی ہے۔ بصیرت ایک قوت ہے اس کو دیکھنے والی چیز سے لذت ملتی ہے۔ ایسے ہی انسان کے دل میں ایک قوت ہے اس کی لذت یہ ہے کہ وہ حکمتوں کو جان لے، ان باتوں کو معلوم کرے جو خیال میں بھی نہ آسکتی ہوں۔ دل کی اس قوت کا نام عقل ہے۔ یہ عقل صوفیاء کے نزدیک مانی گئی ہے۔ فلاسفہ اور بحث و مناظرے والی عقل یہ نہیں ہے اب جو قوت خدا کی معرفت سے لذت پاتی ہو اور اُسے دریافت کرتی ہو اس کی بلندی کا کیا ٹھکانہ! یہ قوت چیزوں کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے ہے گویا اس کا تقاضا علم و معرفت ہے اور یہی اس کی لذت ہے۔ علم و معرفت کی معمولی لذتوں کا حال یہ ہے کہ کسی کو معمولی سی چیز کا عالم کہہ دو، کس قدر خوش ہوتا ہے۔ اور علم میں جو معرفت جس قدر بلند ہوگی اسی قدر عالم و عارف کو لذت حاصل ہوگی گویا عالم کو لذت معلوم کی بڑائی اور شرافت کے مطابق زیادہ یا کم ہوتی ہے، جو لوگوں کے باطن کا حال بتاتا ہے وہ کیسی لذت پاتا ہے اور کس قدر فخر کرتا ہے کیونکہ ظاہر کے مقابلے میں باطن کا علم زیادہ اہم ہے۔ پھر شہر کے رئیس کے باطن کا حال بتانا معمولی لوگوں کے مقابلے میں زیادہ وجہ مسرت اور باعث فخر ہے۔ رئیس کے اوپر مملکت کے وزیروں کا حال بتائے تو اور لذت بڑھ گئی اور وزیر

سے بڑھ کر بادشاہ کا حال بتانے لگے اس کی معرفت حاصل ہو جائے تو فخر و مسرت کا کیا پوچھنا ۔معلوم ہوا کہ ''معلوم'' جس قدر اشرف و اعلیٰ ہوگا، علم اور علام کا مرتبہ اُس کی خوشی، اُس کا فخر اور لذّت اتنی ہی زیادہ ہوگی ۔اب ظاہر ہے ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم اور اس کی معرفت کے جاننے میں لگا رہنا یا جان لینا سب سے اعلیٰ اور افضل کام ہوگا یہی وجہ ہے کہ جس کو ذات باری تعالیٰ کی معرفت کا ایک ذرّہ بھی حاصل ہو جاتا ہے وہ اس کی لذّت میں بالکل گم ہو جاتا ہے۔

محبت کے معاملے میں اختلاف:

محبت کے معاملے میں لوگ مختلف ہوتے ہیں ۔کوئی زیادہ محبت کرتا ہے کسی کو کم درجے کی محبت حاصل ہوتی ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کے بارے میں لوگ جس قدر زیادہ یا کم جانتے ہیں اسی قدر محبت میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے ۔بعض لوگوں نے خدا کے چند نام سنے ۔اس کی بعض صفات سنیں ۔بس وہیں تک محدود ہیں، بعض نے خدا کے بارے میں ایسے ایسے مفہوم اپنے ذہن میں ڈھال لیے جن سے خدا پاک ہے ۔بعضوں نے یہ بھی نہ کیا، تسلیم کے طور پر ایمان لے آئے، بعض وہ ہیں جو اس میدان میں گھس پڑے اور حقیقت پانے لگ گئے ۔غرض جو جس مقام پر ہے اس کی محبت میں ویسی ہی کمی یا زیادتی ہوگی ۔

خدا کی معرفت سے انسان کی سمجھ قاصر کیوں ہے!

یہ بات طے ہے کہ جس قدر چیزیں موجود ہیں سب سے زیادہ ظاہر اور واضح چیز خدا کی ذات ہے ۔اس وجہ سے تو اس کا سمجھ میں آنا بہت ہی آسان ہونا چاہیے مگر معاملہ اس کے برعکس ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کا وجود ظاہر تر ہے ۔اس کو ثابت کرنے کے لیے یہ مثال

سامنے رکھیے کہ ایک شخص کچھ لکھ رہا ہے یا کچھ سی رہا ہے تو اس شخص میں زندگی کی علامت' زندگی کے آثار اور حیات کا وجود صاف ظاہر ہے۔ حالانکہ زندگی کا پتہ ہمیں حواس خمسہ میں سے کسی چیز سے نہیں چلتا بلکہ لکھنے والے یا سینے والے کی حرکت سے یہ بات ثابت ہوئی۔ اسی طرح عالم اور اس کے تغیرات' انسانی جسم اور اُس کے تغیرات کو دیکھیے۔ غور کیجیے ان میں سے ہر چیز ایک شاہد' ایک دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا' حرکت اور تغیر میں لانے والا کوئی ہے ضرور۔ چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے وجود پر گواہ ہے اس لیے اس کا وجود اس قدر ظاہر واضح ہے کہ عقلیں اس کے ادراک میں حیران رہ گئیں اور اُس کا ظہور نگاہوں میں پوشیدہ ہوگیا۔ کیونکہ چیزوں کا نگاہوں سے مخفی ہونا یا چیز کے غائب ہونے سے ہوتا ہے یا بالکل واضح ہونے سے بھی ہوتا ہے' سورج اپنے نور کے ساتھ اس قدر واضح ہوتا ہے کہ ہماری نگاہیں اس کی تاب نہیں لاسکتیں اور وہ ہم سے غائب رہتا ہے۔ ہماری عقلیں چونکہ ضعیف ہیں اور جمال خداوندی نہایت درجے پر واضح اور روشن ہے اور یہی غائب درجے کا ظہور اُس کے مخفی رہنے کا سبب ہے۔ تو بصیرت والے کائنات پر نظر ڈال کر کائنات کے پیدا کرنے والے کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں' خود اپنے نفس کے مشاہدے سے بعض اوقات خدا کے وجود میں گم ہو جاتے ہیں۔ چونکہ دنیا کی ہر چیز کا شعور بچپن میں کم عقلی کے دور سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد سے مسلسل ہر شے آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ انسان برابر ان چیزوں کو دیکھتے دیکھتے ان سے مانوس ہو جاتا ہے اس لیے کسی چیز میں کوئی نئی بات یا کوئی معرفت وسبق نہیں ملتا۔ ہاں اچانک کوئی نیا سبزہ' نیا جانور یا غیر مانوس کوئی بات سامنے آتی ہے تو خود طبیعت کے تقاضے سے معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور انسان واہ! واہ! کہہ اٹھتا ہے۔

جمہوریت

(عبدالرشید ساھی)

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

جمہوریت ایک ایسا نظام سیاست ہے جس کی تعریف دنیا والوں کے ہاں یہ ہے کہ عوام کی لائی ہوئی، عوام کی حکومت، عوام کی خاطر۔ اگر دینی معاشرہ میں طرزِ حکومت کی تعریف مقصود ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دینی حکومت جس میں اللہ کی حاکمیت ہو۔ اللہ کے بندوں پر اللہ کی خاطر، دونوں میں فرق صاف ظاہر ہے۔ جمہوریت اپنے تمام تر فوائد کے باوجود کبھی دینی حکومت نہیں ہو سکتی لہٰذا دینی معاشرہ میں جمہوری طرزِ حکومت کا قیام صرف ناممکن ہی نہیں بلکہ نامناسب اور ناروا ہے۔ اوّل تو اللہ کا ہونا ہی انسانوں کے ووٹوں سے نہیں، اللہ تعالیٰ خود جمہوریت کے مزاج سے بہت بلند ہے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں وہ اللہ ہے، اللہ کے پیدا کئے ہوئے انسان اللہ کو نہیں مانتے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں وہ اللہ ہے۔ انسان اس کی حاکمیت کو نہ بھی مانیں تو پھر بھی اس کے اقتدارِ اعلیٰ کو کوئی فرق نہیں پڑتا زمین و آسمان کے لشکر اگر باغی بھی ہو جائیں تو بھی اللہ مالک و خالق ہی رہتا ہے۔ مالک الملک رہتا ہے۔ فانی مخلوق کو باقی رہنے والی ذاتِ مطلق کے وجود اور اس کی حکومت کے بارے میں ووٹ دینے کا حق ہی کیا ہے!!!

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی
وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

جمہوریت انسانی معاشرہ کیلئے ناسور کی حیثیت رکھتی ہے۔جمہوریت بدمعاشوں کی حکومت، نادانوں کیلئے اور نادانوں کے ذریعے۔اللہ کا مزاج جمہوریت سے بے نیاز ہے،وہ کسی کثرت کے سامنے جوابدہ نہیں ۔اسی لئے وہ اللہ ہے!! اللہ تو اللہ ہے۔اللہ کے رسول بھی انسانوں کے ووٹوں اور کثرت رائے سے نہیں بنتے۔جس طرح اللہ اللہ ہے،اسی طرح پیغمبر بھی پیغمبر ہی ہے۔کثرت رائے کا کسی نبی کی نبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔یہ تو پیغمبروں کی بات ہے۔اب ذرا غور کریں!پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے بارے میں: آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں اور آپ ﷺ کا مرتبہ نبیوں کے ووٹ کا محتاج نہیں۔آپ ﷺ کا مقام انسانوں کا دیا ہوا نہیں بلکہ اللہ کی عطاء سے ہے۔آیئے ! اسلام کی طرف مسلمانوں کی رائے سے دین اسلام ،اسلام نہیں،یہ اللہ کی طرف سے ہے۔کوئی مانے یا نہ مانے اسلام،اسلام ہے۔یہ دین کثرت رائے کے احترام سے دین نہیں بنا بلکہ یہ اللہ کے حکم سے ہے،اللہ کی عطاء سے،جمہوریت کا اس میں دُور تک دخل نہیں۔جمہوریت دین کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتی۔

اس قوم میں ہے شوخیِ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیِ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

دین ،من مرضی کا نام نہیں،دین اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات پر من و عن عمل کا نام ہے،دین میں سچائی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جو کہ معاشرہ سے مفقود ہو چکی ہے۔دیانتداری شرط ہے جو کہ ختم ہو چکی ہے۔اسلام سے پہلے جتنے دین تھے انہیں جمہوریت کے حوالے کر کے ختم کر دیا گیا۔انہیں مطلب پرست حکمرانوں نے کثرت رائے کے ذریعے ختم کیا

اسلام اور اس کے احکامات نہ کسی بادشاہ کے فیصلے سے بدل سکتے ہیں نہ عوام کی کثرت رائے سے۔اسلام میں کسی مارٹن لوتھر کی گنجائش ہی نہیں۔اس دین کو"دین الٰھی "بنانے کا مشورہ دینے والے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غرق کر دیے گئے۔اس دین میں نہ کوئی ترمیم ہو سکتی ہے نہ تخفیف ،کثرتِ رائے کو دین کے تابع رہنا پڑے گا۔

جھوٹے معاشرہ میں سچا انسان کسی سے ووٹ مانگے گا،اسلام کے نام پر،جمہوریت کا قیام دراصل اسلام اور جمہوریت دونوں سے مذاق ہے۔اسلام صداقت پر مبنی ہے اور صداقت اکثریت میں نہیں۔جمہوریت اکثریت کی حکومت ہے اور اکثریت دین سے بیزار ہے۔غور سے دیکھیں۔بازاروں میں،سینما ہالوں میں،اسٹیج ڈراموں میں،شادی بیاہ کی تقریبات میں جو بے پردگی دیکھنے میں آ رہی ہے کیا یہ دین ہے!! میڈیا نے اسلامی تہذیب کا جو حشر کر رکھا ہے۔حکمران جو لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں یہ دین ہے! کرپشن عام ہے،عدالت، مظلوم کا آخری سہارا ہوتی ہے۔انصاف کی قیمت لگ رہی ہے۔جج صاحبان کوئی فیصلہ بھی دولت کی چمک کے بغیر نہیں کرتے۔ملاوٹ اس حد کو چھو رہی ہے کہ مرنے کیلئے زہر بھی خالص نہیں ملتا۔مدرسوں،مسجدوں کی بہتات ہے اور بڑھتا ہوا طوفان بدتمیزی پریشان کن صورتحال ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات
وہ مذہب مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ،ملاّ و جمادات و نباتات

غور طلب بات ہے کہ جمہوریت کے ذریعے دینی معاشرہ کیسے قائم ہوگا۔
دینی حکومت کیونکر قائم ہوگی! اگر اکثریت غلط فیصلہ کرے تو انجام دین کے حق میں کیسے

ہوسکتا ہے۔اگر یزید اور اس کے حمایتی اکثریت میں ہوں تو بھی صداقت امامِ عالی مقامؓ کے عمل میں ہے۔یہی بات تو یزید کے ماننے والوں کو سمجھ میں نہیں آئی کہ حسینؓ تنہا اور سچا ہے۔ یزیدی اکثریت میں ہیں اور جھوٹے ہیں۔ان کی حکومت ہے اور وہ جھوٹے ہیں۔امام عالی مقامؓ سچائی سے میدانِ کربلا کو آباد اور دین اسلام کو نئی زندگی عطاء فرما گئے، سارے کا سارا کنبہ ذبح کروا کر دین حق کی آبیاری فرما گئے۔اکثریت والے بھول گئے کہ اسلام اکثریت رائے کی بات نہیں، اطاعت مصطفیٰ ﷺ کی بات ہے۔اللہ کی محبت حضور اکرم ﷺ کی اطاعت میں ہے اور حضور ﷺ کی محبت اللہ کی اطاعت میں ہے۔اگر ووٹ کو ضرورت بنا دیا تو سچ اور جھوٹ کی تقسیم ختم ہو جائے گی۔

یہی ہو رہا ہے ایک منکر دین کا ووٹ ایک مفتی دین کے ووٹ کے برابر ہے۔ غضب ہو رہا ہے حکمرانوں کی بدبختی اور ناکامی اس غلط طریقہ کار کا ردِ عمل ہے۔جھوٹا ووٹ سچے ووٹ کے برابر! علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں
اک ضربِ یداللھی، اک سجدہ شبیریؓ

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ، دین پناہ است حسینؓ
سر داد، نداد دست، در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

محرم الحرام کا احترام یہ نہیں کہ آپ شربت کی سبیلیں لگا دیں مخلوق میں لنگر تقسیم کر دیں اس طرح سے قربانی حسینؓ کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔بلکہ حق پر کٹ مرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔

آج تک اسلام کے نافذ نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں سے رائے مانگی جاتی ہے۔اللہ کے ماننے والوں اور اللہ کے بندوں پر اللہ کے دین کو نافذ نہ کرنے کی وجہ یہی ہے! کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہے۔جمہوریت جھوٹ و سچ ملا کر بولنے کا سفر،جلسوں اور جلوسوں کا سفر،حکومت سابقہ کی مخالفت کا سفر،گٹھ جوڑ اور توڑ پھوڑ کا سفر،جمہوریت صرف مقدار کی قائل ہے۔معیار کی قائل نہیں! جمہوریت سقراط کو زہر پلاتی ہے،منصور کو سولی پر چڑھاتی ہے۔ جمہوریت کے ذریعے کوئی مفکر،امام،دانشور،عالم دین،ولی کامل یا مردِ حق آگاہ برسرِ اقتدار نہیں آ سکتا۔ جو لوگ جمہوریت کے مہنگے ترین راستوں سے اقتدار میں آتے ہیں ان سے بھلے کی،خدمت کی ایمانداری کی،سچائی اور انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔جمہوریت تو کاروبار ہے،نفع اور نقصان کا سفر ہے۔جب تک عوام میں حق پسند،حق طلب اور حق آگاہ لوگوں کی کثرت نہ ہوگی،جمہوریت ایک خطرناک کھیل ہے۔تازہ ترین مثال آپ کے سامنے ہے پڑوسی ملک افغانستان میں طالبان بھائی چونکہ درست قبلہ کی طرف منہ کر کے چلے تو میدان کارزار میں نہ ان کے سامنے سپر پاور روس ٹھہر سکا،نہ ہی جدید ترین اسلحہ سے لیس امریکن افواج مقابلہ کر سکیں اور نہ ہی تمام یورپین یونین کی مشترکہ افواج ہی کامیاب ہو سکیں بلکہ سب کے سب تمام اسباب راہ میں لٹا کر واپس اپنے اپنے وطن لوٹ گئے اور حق والے اللہ کے حمایت یافتہ طالبان تمام طاغوتی طاقتوں کو مات دے کر اپنے ملک میں کامیاب و کامران ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ طالبان کی دستگیری فرمائے۔آمین۔

یہ ذکرِ نیم شبی،یہ مراقبے،یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبالؒ

کنونشن کا منظر

(فوجی لیاقت علی-چوک اعظم)

توحیدیوں کی محفل ہے رنگ جداگانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

پر کیف فضا کیا خوب ہے سماں
محبت کی بارش سے لذت ہے رواں

لاہوت کے نغمے ساز ہے عاشقانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

بہار کا یہ موسم پھولوں سے خوشبو
ہے ایک تمنا! ایک ہی آرزو

شیخ کی صحبت ہو، دل دنیا سے بیگانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

گونج رہی ہے ہر دل کی صدا
طلب تیرے ملنے کی لے آئی خدا

ذکر کی گرمی سے شوق کا ہنگامہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

آئے یہ سب تیرے بے تاب ہیں ساقی
اِک جام پلا دے، رہے پیاس نہ باقی

توحید کی مے ہو، گردش میں پیمانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

آ بابا! انصاری! دِکھا صورت پیاری
بیٹھی ہوئی محفل یاد کرتی ہے ساری

شوق ملنے کا ہے عرض نیازانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

تو! شمع محفل آتے تھے پروانے
دن رات نوازش تھی اپنے یا بیگانے

اِک بار جو دیکھے، ہوتا تھا دیوانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

تھا تیرا لطف عام جاری مئے خانہ
کوئی آنکھوں سے پیتا، کوئی لیے ہاتھ پیمانہ

بیٹھے رند سارے، تیرا گاتے ترانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

پریم کا وہ دور، سماع کا زمانہ
کھل جاتے مٹکے جوش میں آتا مئے خانہ

یادوں کا وہ منظر، الفاظ کا نذرانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

تیرے پیار کی خوشبو سے تھا لبریز آستانہ
اندازِ بیاں تیرا تھا، خاص حکیمانہ

جاری خدا رکھے تیرا فیض کریمانہ
ڈار ہے ساقی! انصاری کا مئے خانہ

اخلاص

(حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی)

تعریف: شیخ ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اخلاص، اطاعت، اور عبادت کو قصداً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دینے کا نام ہے۔''

یعنی عبادت کا مقصد صرف قربِ الٰہی کا حصول ہو۔ مخلوق خدا کیلئے تصنع، لوگوں کی تعریف حاصل کرنے یا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد پیشِ نظر نہ ہو۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ اس کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اخلاص، عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے پاک کرنے کا نام ہے۔

حضرت ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں: ''مخلص مومن میں ریاء کا شائبہ تک نہیں ہوتا''۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریاء کہلاتا ہے۔ اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک (خفی) کہلاتا ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں چیزوں سے بچالے''۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص، اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس کو نہ تو کوئی فرشتہ جانتا ہے کہ وہ اس کو لکھ لے۔ اور نہ ہی شیطان کی اس تک رسائی ہوتی ہے کہ اس کو فاسد کر دے۔ اور نہ ہی خواہش نفس اس کو پا سکتی ہے کہ اس کو اپنی طرف مائل کر لے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلص پر لازم ہے کہ وہ نہ تو اپنے اخلاص کی طرف توجہ دے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہو۔ کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا اخلاص مکمل نہیں ہوگا' بلکہ بعض نے تو اس کو ریاء کا نام دیا ہے۔''

اخلاص کے بارے میں ان مختلف اقوال کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ اعمال صالحہ میں نفس کا کوئی دخل نہ ہو' خواہ یہ اعمال جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا دل اور مال کے ساتھ۔ مخلص کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاص کی طرف متوجہ نہ ہو۔

کتاب وسنت میں اخلاص کی اہمیت:

چونکہ اعمال کی قبولیت اخلاص پر موقوف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم اُمت کیلئے نبی علیہ السلام کو عبادت میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فرمایئے' اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے دین کو''۔

''پس آپ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو' خبردار! اللہ کیلئے ہے دین خالص''۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تمام قولی، فعلی اور مالی عبادات میں اخلاص کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی، دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ نے واضح بیان فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن لقاءِ الٰہی کا راستہ صرف وہ عمل صالح ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا گیا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''پس جو شخص اُمید رکھتا ہو اپنے ربّ سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو''۔

احادیث طیبہ بندہ مومن کو اپنے اعمال میں اخلاص کا درس دیتی ہیں۔اور اس کو متنبہ کرتی ہیں کہ اس کی عبادت کا مقصد لوگوں کی تعریف وتوصیف حاصل کرنا نہیں ہونا چاہئے اور ان میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جو خالص اللہ کیلئے نہ ہو' وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔اور احادیث پاک یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کے ظاہری اعمال کی طرف نہیں دیکھتا ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ریاء کو شرک اصغر اور شرک خفی کا نام دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ریاء کار سے بری ہو جائے گا۔اور اس کو ان لوگوں کے سپرد کر دے گا جن کو انہوں نے اپنے ربّ کی عبادت میں شریک بنایا تھا۔

مندرجہ ذیل احادیث بیان کرتے ہیں جو اخلاص کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں:

☆..... حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اجر اور شہرت کیلئے جنگ میں شریک ہوا ،اسے کیا اجر ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اسے کچھ نہیں ملے گا۔اس آدمی نے تین دفعہ اس بات کا اعادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے کچھ نہیں ملے گا''۔پھر فرمایا' اللہ عزوجل اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کیلئے ہو اور جس سے اس کی رضا مقصود ہو''۔

☆..... ''حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسم اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا' بلکہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔''

☆..... ''حضرت شداد بن اوسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ریاء کاری کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریاء کاری کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے ریاء کاری کیلئے صدقہ کیا اس نے بھی شرک کیا''۔

☆..... ''حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن اپنے کاشانہ انور سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! سرائر کے شرک سے بچو۔ صحابہ نے عرض کی 'سرائر کا شرک کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور نماز کو خوبصورت انداز میں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو دکھائے۔ اور یہی سرائر کا شرک ہے۔

☆..... حضرت محمود بن لبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے متعلق سب سے زیادہ جس چیز کا مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس سے مراد ریاء ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا تو ریاء کار کو حکم دے گا ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کیلئے تم دنیا میں ریاء کاری کرتے تھے اور دیکھو کیا تمہیں ان کے پاس سے اجر ملتا ہے''۔

☆..... حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اوّلین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا۔ جس نے اپنے عمل میں کسی کو شریک ٹھہرایا۔ وہ اسی سے ثواب طلب کرے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان شرک کرنے والوں سے مستغنی ہے۔

اخلاص کی اہمیت میں اقوال علماء:

☆..... حضرت مکحول رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص چالیس دن تک اخلاص پر عمل پیرا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے حکمت و دانائی کے چشمے جاری کر دے گا''۔

☆..... حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ سے عرض کیا گیا کہ کون سی چیز نفس کیلئے سخت ترین ہے؟ آپؒ نے فرمایا: **اخلاص**۔ کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔''

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں:

☆..... ''جب بندہ مخلص ہو جاتا ہے تو اس سے وساوس کی کثرت اور ریاء ختم ہو جاتے ہیں''۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعمال خالی ڈھانچوں کی مثل ہیں اور ان کی روح اخلاص ہے۔

☆..... ابن عجیبہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ تمام اعمال ڈھانچوں اور جسموں کی مانند ہیں۔ اور ان میں اخلاص کا پایا جانا روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح ڈھانچے روح کے ساتھ ہی قائم ہوتے ہیں اگر روح نہ ہو تو ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بدنی اور قلبی اعمال کا قیام اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان میں اخلاص نہ ہو تو یہ صرف خیالی تصویر کی مانند ہوتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔''

اخلاص کے بارے میں علماء و عارفین کے اقوال شمار سے باہر ہیں۔

اخلاص کے مراتب:

ابن عجیبہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخلاص کے تین درجے ہیں:

۱) عوام کا اخلاص، ۲) خواص کا اخلاص ۳) خاص الخواص کا اخلاص۔

عوام کا اخلاص:

یہ ہے کہ یہ اُخروی اور دنیوی دونوں نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں جیسے صحت، مال وسعت رزق اور حور وقصور۔

خواص کا اخلاص: ان کا اخلاص یہ ہے کہ یہ صرف اُخروی نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں۔

خاص الخواص کا اخلاص:

یہ دونوں نعمتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ان کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کے دیدار کے شوق میں ہوتی ہے۔جس طرح کہ ابن فارضؒ فرماتے ہیں:

''جنت کی نعمتیں مجھے مطلوب نہیں، مگر میں ان سے صرف اس لئے محبت کرتا ہوں، تا کہ تیرے دیدار سے بہرہ ور ہوسکوں۔''

''سب لوگ نارِ جہنم کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔اور اس سے نجات کو بہت عظیم گمان کرتے ہیں، یا اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ جنتوں میں سکونت اختیار کریں اور باغوں میں سیر کریں اور سلسبیل نوشِ جان کریں''۔ ''لیکن مجھے جنت اور دوزخ کا کوئی خیال نہیں اور نہ ہی میں اپنی محبت کا کوئی بدل چاہتا ہوں۔'' آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کامل کے بغیر نفس کی شہوات اور ریا کاری کے دقائق سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔''

صوفیاء کرام کا سب سے اعلیٰ مقصد اپنے اخلاص کے ساتھ درجات میں ترقی کرنا اور ثواب کی خواہش کے بغیر خالص اللہ کی رضا کیلئے عبادت کرنا ہے۔

''جنات عدن ان کا مقصود نہیں' نہ ہی خوبصورت حوریں اور خیام''۔ ''وہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کے طالب ہیں اور یہ ان کی آرزو ہے اور یہی ان کریم لوگوں کا مقصد ہے''۔

''حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں: اے اللہ! میں نے تیری عبادت تیری آگ کے خوف سے نہیں کی اور نہ ہی تیری جنت کے لالچ میں کی ہے۔ بلکہ میں نے تیری عبادت محض تیری ذات کیلئے کی ہے۔'' اگر ثواب وعقاب اور جنت و دوزخ کا وجود نہ ہوتا تب بھی اللہ کے محبوب بندے اس کی عبادت سے پیچھے نہ ہٹتے اور نہ ہی اس کی اطاعت سے منہ پھیرتے۔ کیونکہ وہ اللہ کی عبادت صرف اللہ کیلئے کرتے ہیں کیونکہ ان کے اعمال ایسے دل سے صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہیں اور وہ اس کے قرب اور رضا کے طالب ہوتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی نعمتوں اور انعامات کا ادراک ہوتا ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ جنت میں داخل ہونے کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی آگ سے دور ہونے میں رغبت رکھتے ہیں۔ جس طرح بعض احمقوں نے یہ سمجھ لیا ہے بلکہ وہ آگ کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، غضب اور انتقام کا مظہر ہے اور وہ جنت کو پسند کرتے ہیں اور اس کو طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا اور قرب کا مظہر ہے۔ جس طرح حضرت آسیہ (زوجہ فرعون) نے فرمایا: ''اے میرے ربّ! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔'' انہوں نے جنت کو طلب کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے قرب کو طلب فرمایا۔ اور گھر سے پہلے پڑوس کو طلب فرمایا۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے: ''دیار کی محبت نے میرے دل کو مائل نہیں کیا' لیکن اس کی محبت نے جو ان دیار میں سکونت پذیر ہے''۔ یعنی جنت میں ان کی رغبت اللہ تعالیٰ کی

رضا، قرب اور محبت کا باعث تھی ۔اسی طرح جب بندہ کی ہمت بلند اور اس کا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے تو وہ بدنی لذائذ اور ذاتی نفع سے کنارہ کش ہو جاتا ہے خواہ یہ نفع دنیوی ہو یا اُخروی ۔پھر بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کا طالب ہوتا ہے اور خالص عبودیت سے متصف ہو جاتا ہے ۔بندہ کی ہمت کے مطابق ہی اس کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے ۔

ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو شخص اپنی طاعت اور عبادت سے اُخروی نعمتوں کا طالب ہو اور جنت کی لذات سے لطف اندوز ہونے اور نارِ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا خواہشمند ہو، وہ گمراہ ہے اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے محروم ہیں بلکہ وہ تو اطاعت گزار صالح مومن ہیں ۔مگر انکا مرتبہ ان لوگوں سے کم ہے جن کی نیتیں صاف اور ہمتیں بلند ہوں ۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ثواب و عقاب سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے ۔اس کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے برخلاف اس شخص کے جو اللہ کی عبادت حصول ثواب اور عقاب کے خوف سے کرتا ہے اس کی عبادت میں اس کے نفس کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے، یہ بھی اللہ کے نزدیک محبوب ہوتا ہے، لیکن اس کا شمار ابرار میں ہوتا ہے، جبکہ پہلے شخص کو مقربین کا درجہ حاصل ہوتا ہے ۔"

شیخ احمد رزوق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم چیزوں کی تعظیم ضروری ہے اور انکو حقیر جاننا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اس لئے صوفیائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہم نے اس کی عبادت آتش جہنم کے خوف اور اس کی جنت کے لالچ سے نہیں کی، اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعظیم ہیں ۔مومن کسی حالت میں بھی اپنے مولیٰ کی

برکت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔صوفیائے کرام نے عبادت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کی اور اس عبادت کے بدلے میں جنت کا مطالبہ اور آتش جہنم سے نجات کا مطالبہ نہیں کیا۔

بعض اوقات سالک کے عمل میں بہت سی آفات داخل ہو جاتی ہیں جو اس کے اخلاص کو عیب دار کر دیتی ہیں۔اور منزل مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔اس لئے ان آفات کی وضاحت اور سالکین کو ان خطرات سے آگاہ اور ان سے چھٹکارے کا طریقہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ سالک کے تمام اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوں۔

حجاب اوّل:

بعض اوقات سالک اپنے عمل پر نازاں ہوتا ہے اور یہ چیز اس کیلئے حجاب کا باعث ہوتی ہے۔کیونکہ وہ اپنی عبادت میں گم ہو کر محبوب سے دور ہو جاتا ہے۔اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اس کی توفیق کا نتیجہ سمجھے۔اور یہ ذہن میں رکھے کہ وہ اور اس کا عمل سب کچھ اس کیلئے ہے۔

یعنی تمام اعمال توفیق الٰہی سے سرانجام پاتے ہیں۔بندہ کی طرف صرف کسب کی نسبت ہوتی ہے۔جب انسان اپنے نفس کی صفات میں غور و فکر کرے اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے نفس کی وہی حالت ہے جیسا کہ اس کے خالق و مالک نے بیان کی ہے:

"بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا" تو وہ جان لے گا کہ اس سے جو بھی نیکی کا کام ہوتا ہے وہ محض اللہ کے فضل و احسان سے ہی ہوتا ہے۔انسان اپنے عمل پر فخر و عجب سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے اپنے نفس کی رعونت سے مکمل آگاہی ہو۔لہٰذا انسان کو اس کی معرفت کے حصول کیلئے کوشاں رہنا چاہئے۔

حجاب ثانی:

سالک کیلئے دوسرا حجاب یہ ہے کہ اپنے عمل پر معاوضہ کا مطالبہ کرے۔خواہ وہ عوض دنیاوی ہو یا اُخروی۔وہ مختلف قسم کی خواہشات کا طالب ہو جیسے شہرت و رفعت مرتبہ کی خواہش وغیرہ۔احوال' مقامات اور مکاشفات اور معارف کی طلب بھی اس میں داخل ہے۔اسی لئے عارف باللہ ایسے سالک کو نصیحت فرماتے ہیں جو اپنے مطلوب و مقصود کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اے خواہشات اور عبادات کے اسیر! اے مقامات و مکاشفات کے اسیر! تو دھوکے میں ہے۔"

اسے ان اشیاء کا اسیر اس لئے کہا گیا ہے' کیونکہ یہ تمام اشیاء غیر اللہ اور عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہونا' خالق کی معرفت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے۔

اگر تو اپنی طلب میں صادق ہوتا تو کسی خواہش ،عبادت ،مقام یا مکاشفہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا' بلکہ تیرا مقصود حقیقی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتا۔تیرا عزم و حوصلہ خالص اللہ کیلئے ہوتا اور ماسویٰ اللہ سے اعراض کرتا۔پھر فرماتے ہیں کہ ابن عطاء سکندری رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "التنویر فی اسقاط التدبیر" میں اپنے شیخ و مرشد ابوالعباس مرسیؒ کی نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ولی اس وقت تک وصال کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا' جب تک اس کے دل سے وصال کی خواہش ختم نہ ہو جائے۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ اگر میں ترقی کرتے ہوئے لامکان تک پہنچ جاؤں اور پھر ایک لمحہ بھی کسی دوسری شے میں مشغول ہو جاؤں تو میں عقلمند نہیں کہلا سکتا۔ابن فارض فرماتے ہیں: "حُسن نے مجھے کہا' ہر شے کا ظہور مجھ سے ہے تھوڑی دیر مجھ سے لطف اندوز ہو جا

میں نے اس سے کہا۔میرا مقصود تجھ سے آگے ہے'' مخلوق کے حُسن کی طرف متوجہ ہونا اور وہاں ٹھہرنا اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔ جو شخص ماسویٰ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کسی بزرگ نے فرمایا: ''جو مراتب بھی تجھ پر ظاہر ہوں تو ان سے آگے گزر جا، ہم بھی اس قسم کے مراتب سے گزر کر آئے ہیں''۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک کی ہمت جب مکاشفہ پر اکتفا کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو غیب سے ندا آتی ہے کہ اے سالک! تیرا مقصود تو اس سے آگے ہے۔''

سالک کا ان مقامات کو طلب کرنا اس کے نفس کی پوشیدہ خواہش ہے۔کیونکہ وہ یا تو ان مقامات کو پالے گا اور اس پر مطمئن ہو کر اپنے اصل مقصد سے محجوب ہو جائے گا یا ان کو حاصل نہیں کر سکے گا مگر ان کے حصول کو اپنا مقصد اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ بنا لے گا پھر ان کے حصول کیلئے محنت کرے گا' اور جب ان تک نہ پہنچ سکے گا تو اس کا عزم کمزور اور وہ خود مایوس ہو جائے گا۔اس وقت وہ الٹے پاؤں پستی کی طرف لوٹے گا۔ہاں اگر کسی مرشد کامل کی توجہ میسر آجائے تو اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے ورنہ منزل مقصود سے دور ہی دور ہوتا چلا جائے گا۔

اُخروی اجر و ثواب طلب کرنے سے مراد جنت میں داخل ہونے اور نارِ جہنم سے نجات کی خواہش کرنا ہے۔اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے یقین ہو' جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا نہ کہ اس کے عمل سے۔رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: ''تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔صحابہ نے عرض کی' آپ ﷺ بھی! یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: ہاں میں بھی نہیں۔مگر جب اللہ کی رحمت مجھ پر سایہ فگن ہو جائیگی۔

سالک کو اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے یہی چیز بچا سکتی ہے کہ وہ یقین کرے

وہ محض اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے بغیر جنت میں داخل ہونے اور نارِ جہنم سے نجات کا مستحق نہیں کیونکہ غلام اپنے آقا کی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔اس کی ساری عبادت' حق عبودیت کو ادا کرنے کیلئے ہیں اور دنیا اور آخرت میں جو ہوا اسے اجر وثواب ملے گا یہ محض اس کا فضل واحسان ہے۔عبادت کی توفیق بھی اسی کا فضل ہے۔جب سالک جان لے گا کہ یہ توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے تو پھر اس کی نعمتوں کے شکر میں مصروف ہو جائے۔

حجاب ثالث:

اپنے اعمال کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اس سے نجات کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: اپنے اعمال میں پائے جانے والے عیوب سے مطلع ہونا۔کیونکہ بہت ہی قلیل اعمال ایسے ہوتے ہیں جو شیطان اور نفس کے حظ سے خالی ہوں۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جب نماز میں ایک لمحہ کے التفات کا یہ حال ہے تو دل کے ماسویٰ اللہ کی طرف التفات کرنے کا کیا حال ہوگا' یعنی اس میں تو حظ شیطان اس سے بھی بڑھ کر ہے۔'' جہاں تک حظ نفس کا تعلق ہے تو اس کو اہل بصیرت اور عارفین ہی جان سکتے ہیں۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ سالک حقوق عبودیت اور اس کے ظاہر یا باطنی آداب اور شرائط کی معرفت حاصل کرے۔دن رات عبادت میں مشغول ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسر نفسی کا اظہار کرے۔ایک عاجز اور ضعیف بندہ خالق کائنات کی عبودیت کے حقوق کماحقہ کیسے ادا کر سکتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقصیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی، جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا''۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اخلاصِ عمل کو، علل واسباب اور شوائب سے پاک کرنے کا نام ہے خواہ ان اشیاء کا تعلق مخلوق سے ہو جیسے مخلوق کی مدح وتعریف کو پسند کرنا اور انکی مذمت سے خوف کھانا۔ یا اس کا تعلق عمل سے ہو۔ جیسے اپنے عمل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جانا اور اس کے بدلے میں عوض طلب کرنا وغیرہ۔

اسی وجہ سے بلند ہمت عارفین اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کر دیتے ہیں اور اپنے دلوں میں جب اللہ تعالیٰ کی ندا پاتے ہیں تو اس پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں، جس طرح کہ کسی بزرگ کا فرمان ہے۔ اے مولا! میں تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔

دعائے مغفرت

گکھڑ سے بھائی عامر رشید انصاری

گوجرانوالہ سے بھائی رانا جبار کے بہنوئی

ملتان سے قاسم بھائی کے چھوٹے بھائی

ڈسکہ سے ہمارے بزرگ بھائی نبی احمد طویل علالت کے بعد

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

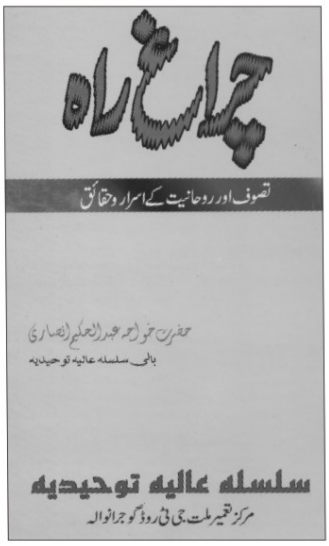

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

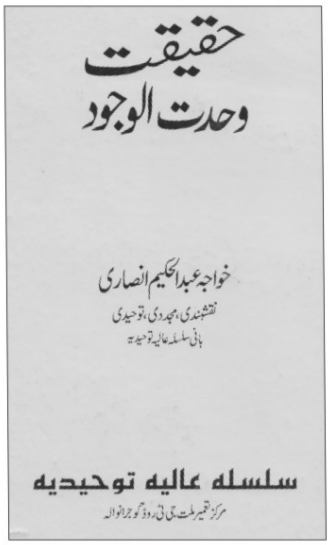

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

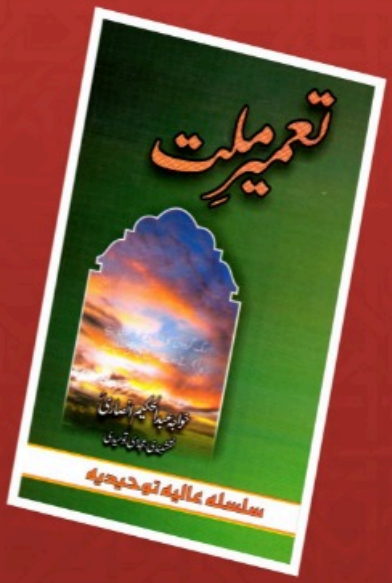

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

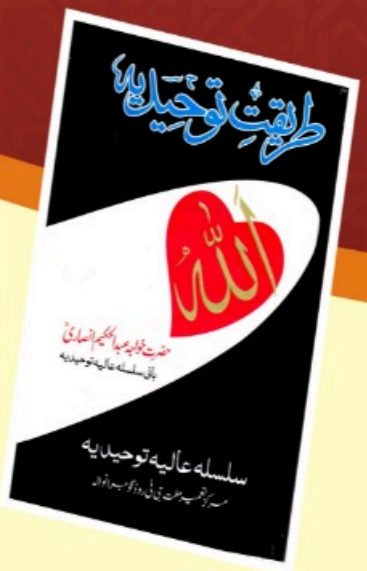

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com